بسم اللہ الرحمن الرحیم

سات روحوں کے اعمالنامے

تصنیف

مصورِ غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

یادگار شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم

جسے

ملا محمد الواحدی دہلوی

نے

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۴ ہجری مطابق اگست سنہ ۱۹۲۵ عیسوی

پانچویں مرتبہ

اپنے درویش پریس دہلی میں چھاپ کر شائع کیا

قیمت فی جلد ۸ آنے علاوہ محصول ڈاک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

حصیرۃ اللیل یعنی وہ ایک خاص رات جس میں چند لمحہ کے واسطے ربِ اُلاَّ تیھر (ایتھر کا
پرورش کرنے والا مادہ جس پر خدائے دہر کا اطلاق ممکن ہی) خلائے آسمانی میں ظہور
کرتا ہی، اجرامِ فلکی کے سرپرستی، اور یہی ہی وہ رات جس کی ایک ساعت قانونِ قدرت
کے قطعاً خلاف ہر سو سال کے بعد اپنی حرکت بند کرتی ہی، تحرک، کشش، جذب، گردش
ہر طاقت مفقود ہو کر محض اس مجموعہ کے تابع ہو جاتی ہی جسکا وجود ایتھر میں ہی، اور یہی
وہ وقت ہی جو عقائدِ دہر میں خاتمہ دنیا یا قیامت کا باعث ہوگا، آسمانی دنیا پر سکونِ مطلق
طاری تھا، تاروں کی جماعت جو اس وقت میلوں کے فاصلہ پر منتشر دکھائی دیتی ہی صف
بستہ و متصل خاموش و سرنگوں تھی، ہوا کا گذر مطلق نہ تھا۔ آبشار تھم چلے تھے پہاڑوں
پر سناٹا تھا۔ مگر چاند دہری فرشتوں کی زندگی کے لیے کچھ آکسیجن پہنچا رہا تھا۔ دفعتہً بغیر
کسی گرج یا اتصال کے ایک شعلہ چمکا۔ کائنات ساکت لرز گئی، چاند تھرّا گیا۔ تاروں
کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک گئے۔ پہاڑ گڑگڑا اُٹھے۔ پانی میں تہلکہ مچ گیا۔
اور ایک متفقہ آواز بلند ہوئی۔

ہولم، ڈرولم، سریوس — پاکس، بلند، پرورش کرنیوالے

یہ ہی رب لاتیھر کا وجود تھا، جلال، قدرت اور تمکنت شاہنشاہی کو ظاہر کرنے والے وہ قہقہے اس شعلہ سے نکلے اس اطمینان پر یہ تمام مخلوق جس کا خون خشک ہو رہا تھا خوشی سے اچھل پڑی اور سوائے اس ایک چاند کے جس کا نام مرقان تھا سب سجدے میں گر پڑے۔

ہولم، ڈرولم، سرکیوس

شعلہ کی حرارت تیز ہوئی غضب ناک چنگاریاں اُڑنے لگیں، قریب کا بڑا حصہ جلکر خاک سیاہ ہوگیا، اور وہ تمام ذرات، جو مسرور و شادکام تھے اس فوری تغیر سے متاثر ہوکر دم بخود رہ گئے۔ غضب الٰہی لحہ بہ لحہ زیادہ ہوا۔ چنگاریاں خوفناک انگارے بن گئیں، اور ایک ایسی دہشت ناک آواز برآمد ہوئی کہ ہر ذرہ دہل گیا۔

کریسی، ہیکریو........ نازمان مرقان

شعلہ فرو ہوگیا مگر ملائکہ دہر کا داروغہ تند و تیز آنکھوں سے طیش میں بھرا مرقان کی طرف گیا۔ ایک زبردست جھٹکے میں اس کو اپنے سامنے گرالیا۔ اور حکم دیا ہمارے رب سے نافرمانی کرنے والے، کمینے رذیل و ذلیل مخلوق! اُٹھ اور اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے واسطے رب لاتیھر کے حضور میں حاضر ہو۔

مرقان کی تمام قوتیں سلب کر لی گئیں، زبردست زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈالدیں اور ہر طرف سے اس پر نفرین و ملامت کے نعرے بلند ہونے لگے

زیرلو زیرلو زیرلو

لعنت لعنت لعنت

داروغہ اس مجسمہ ملعونہ کو دو انگلیوں میں لیکر فضائے آسمانی میں اُڑا۔ ایک مقام پر معلق چھوڑ دیا اور کہا بہت ممکن ہے کہ تیری ہستی رب لاتیھر کی ایک ہی پھونک سے خاکستر

ہوجائے۔اس لیے گو تو ہرگز ہرگز کسی ہمدردی و رحم کا مستحق نہیں۔ مگر اس لیے کہ تو بچہ ہی میں تیری سفارش پر آمادہ ہوں، گناہ کا ارتکاب تجھ سے ہو چکا، اس سے انکار اور بالخصوص ایک جلیل القدر مالک کے سامنے غلطی ہے عفو قصور کی خواہش کر، شاید سزا کی حد خفیف ہو جائے۔

اتنا کہتے ہی داروغہ نے پھر مرقان کو پنجہ میں پکڑا، اور اُڑا کچھ دور جا کر وہ ایسی جگہ پہنچا، جہاں نور کے خوشنما پردے ہوا سے آہستہ آہستہ اُڑ رہے تھے اور ہر طرف ہری فرشتوں کی فوج رب لا یتغیر کے جلو میں حاضر تھی، مرقان کے پہنچتے ہی ہی متفقہ آواز اُٹھی۔

زیر لو   زیر لو   زیر لو

لعنت   لعنت   لعنت

یہاں فرش زمین کی بجائے رنگ برنگ کے پھولوں کا آسمان تھا۔ داروغہ اُترا اور مرقان کو کھڑا کر کے کہا۔ اس نافرمانی کا جو تجھ سے رب لا یتغیر کے حضور میں سرزد ہوئی تجھ کو کیا بدلا ملنا چاہیئے۔ گو تو اپنے قصور پر نادم ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ سزا سے محفوظ رہے۔

ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے آسمان کی زمین کو جو جبین عروس تھی معطر کر دیا اور ملائکہ دہری جو رب لا یتغیر کے رازوں سے واقف تھے، اس نافرمان مرقان پر بہ آواز بلند نفرین کرنے لگے۔

کچھ دیر غور و تامل کے بعد مرقان نے اپنی آنکھیں جو غور و خوض میں مصروف تھیں بلند کیں۔ ہر طرف نگاہ دوڑائی، اور نہایت دلیری سے کہا۔

یقیناً میں کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوں۔ میں نے بچپن میں ہمیشہ اپنی ماں سے لڑکپن میں بارہا اپنے دوستوں سے اور اب جوانی میں شب و روز اپنے ہم جنسوں سے اس مخلوق کا مضحکہ سنا جو ہمارے رب لا یتغیر کو مافوق الفطرت طاقت سے ازلی ابدی بادشاہ رب العالمین اور ان داتا خیال کرتی ہے۔ میں جس حال میں اس کل کا

جو رب لا تیھر سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک جزو ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کی پرستش کروں

سولیپو، سٹرکیو

کرو جو کر سکتے ہو

گنہگار، بدبخت، نمک حرام۔

لے جاؤ سامنے سے غارت کرو۔ .... پھینکدو

(۲)

دوزخ کے ایک ادنیٰ طبقہ میں مرقان پا بجولاں مقید ہے اور اس وقت کا منتظر ہے جب آفتاب برج ثور میں پہنچے کیونکہ یہی وقت اس کے فیصلہ کا مقرر ہوا ہے۔ اس کے ہم جنس دوسرے چاند اور چھوٹی قوم تارے، نیز ملائکہ دہری با وجود تنفر کے اس کی تکلیف سے متاثر ہیں۔ مگر اول تو کسی کو اپنے فرض منصبی کی ادائگی سے اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس سے بات کرے۔ دوسرے پہاڑوں کے زبردست پہرے میں کس کی مجال تھی کہ پر مار سکتا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت جب قمر کلاں لباٹ دنیا پر اچھی طرح جگمگا رہا تھا۔ طبقہ دوزخ کے "سب پراکٹر" نے مرقان کو باہر نکالا اور یہ حکم سنا دیا "اس نافرمانی کی پاداش میں جو تجھ سے رب لا تیھر کے حضور میں سرزد ہوئی۔ تو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے آسمانی دنیا سے محروم کیا جاتا ہے۔

مرقان نے نہایت استقلال سے یہ فیصلہ سنا۔ مخلوق آسمانی میں قریب قریب ہر متنفس کو اس سے تھوڑی بہت محبت تھی اور اسی لیے جم غفیر اس فیصلے کے واسطے دوزخ کے کمپونڈ میں جمع تھا۔ حکم سنتے ہی سناٹے میں ہو گئے اور ایتھر ناک کریٹر کے چیف سکرٹری کی اجازت سے یہ تجویز ہوئی کہ ایک الوداعی ڈنر مرقان کو کل دہریہ سوسائٹی کی طرف سے دیا جائے اس اوپن ائیر میٹنگ میں شاہ بلوط اور زیتون کے سبز سبز شامیانے چاروں طرف نصب کیے گئے۔ للی اور صنوبر کے پھولوں سے

اوڈئیں کی نشست گاہ آراستہ کی گئی۔ حوریں چونکہ پردہ نہ کرتی تھیں اس لیے ایک خاص حصہ لیڈیز آف دی سکائی کے واسطے مخصوص کر دیا گیا، جلسہ کا وقت آیا تو لاکھوں قسم کے چاند تارے ہزاروں بہری فرشتے اور حوریں آکر جمع ہوئے سب سے پہلے پریسیڈنٹ کے انتخاب میں اختلاف رائے ہوا، زیادہ تر ووٹس قمر کلاں کے فیور میں تھے، مگر بحث یہ تھی کہ جب پیارا مرقان ہم سے جدا ہو کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور یہ میٹنگ اُسی کے آنر میں ہی تو صرف اس لئے کہ زمینی دنیا کی جنس لطیف عورت ہی، پریسیڈنٹ کوئی حور ہونی چاہیئے۔ اس بات کے زبان پر آتے ہی حاضرین اسی طرف کو جھک گئے اور کثرت رائے سے ایک حور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئی۔

مرقان کے دوستوں عزیزوں اور ہم جنسوں نے اپنے اپنے رنج وغم کا اظہار کر کے مرقان کو الوداع کہا۔ اور جب یہ رنج وغم کی اسپیچیں ختم ہوگئیں تو پریسیڈنشل اڈریس اس طرح سے شروع ہوا۔

"ہم اپنے نوجوان دوست مرقان کو گو اس لحاظ سے ہمدردی کا مستحق نہ سمجھیں کہ اُنہوں نے ہمارے خالق الموجودات کی نافرمانی کی۔ مگر ہمکو یقین کامل ہی کہ ہمارے محترم سکرٹری ٹوریلا لاتیھر کی عنایت سے اِنکی مصیبت کا زمانہ جلد ختم ہو جائیگا۔ میں نے اُن سے وعدہ لے لیا ہی کہ اگر مرقان انسانی دنیا کا کوئی بہترین تحفہ ہمارے سامنے پیش کریگا تو یہ اس کے عفو قصور کے سفارشی ہوں گے۔ (چیرز)

اُنہوں نے میری موجودگی میں ملک الموت کو حکم دیدیا ہی کہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں مرقان کی تسلی و تشفی کرتے رہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم اپنے مرقان کو رخصت کریں۔ میں اُن سے درخواست کرتی ہوں کہ ہم سب منجملہ دوسری اشیا، کے انسانی دنیا کے اس تعلق سے واقف ہونے

کے زیادہ مشتاق ہیں، جو مرد عورت میں قائم ہے اور اگر مرقان صرف اسی راز کا پتہ
لگا سکے تو وہی ہم ہوں گے اور وہی مرقان اور وہی آسمانی بادشاہت۔ ہماری سمجھ
میں نہیں آتا کہ انسان کیوں ہمکو ایک نعمت خیال کرتا ہے اور مریخ پار والی ساری
حوروں کا سارا طبقہ اس کے واسطے کیوں نذر کر دیا گیا۔

(۳)

کوہ سینیا کا لامتناہی سلسلہ دور تک چلا جا رہا ہے خود رو پھولوں پر طائران خوش الحان
کی چہک اور درختوں پر فاختہ کی کو کو چشم بینا کے واسطے عجیب سبق ہے۔ دریا کی لہریں،
لہروں کی ترقی و تنزل کی ابتدا اور انتہا عروج و انحطاط انکا وجود اور فنا بے ثباتی
دنیا کا پیام پہنچا رہا ہے۔ دامن کوہ میں ایک گاؤں آباد ہے پانچ چھ ہزار جھونپڑیاں بساط
زمین کے اس حصہ پر موجود ہیں، یہاں کی تمام مخلوق اپنے مشاغل میں منہمک اور
ضروریات زندگی کی تکمیل میں مصروف ہے آفتاب غروب ہو چکا پرند اپنے آشیانوں
میں دبک سکڑ بیٹھ گئے اور زلف شب کمر تک پہنچ گئی۔ رات سائیں سائیں کر
رہی تھی ہر طرف سناٹا تھا۔ اس اندھیرے گھپ میں مرقان کو صرف ایک جھونپڑی
میں چراغ ٹمٹماتا دکھائی دیا۔ اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ضعیف العمر انسان ہائے
قوم کے نعرے لگا رہا ہے۔ اس کا اضطراب لحہ بہ لحہ تیز ہو رہا تھا اور قلب کی حالت
اس قدر متغیر ہو جاتی تھی کہ وہ دیوانہ وار اسی عالم خیال میں سر پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا
چند مسلمان عورتیں اس کے سامنے خاموش تھیں، وہ کبھی وعظ کہتا، کبھی نصیحت کرتا
کبھی روتا، اور کبھی ہائے کے نعرے مارتا، لوگوں سے پوچھتا، عزیزوں سے مشورہ
لیتا کہ کس طرح قوم اس نکبت و افلاس سے باہر نکلے مرید اس کی گریہ و زاری میں
ساتھ تھے رات اس کے سامنے اسی کرب میں صبح ہو گئی اور علی الصباح یہ فدائے
قوم اپنے مریدوں کی جماعت ہمراہ لیکر خلق اللہ کی اصلاح کو نکلا، سب سے پہلے وہ

رئیس المدینہ کے مکان پر پہنچا، مطربان خوش الحان موجود، جام و مینا حاضر اور انواع
اقسام کی نعمتیں میسر تھیں۔ یہ ورچل ہاتھا ضعیف العمر یہ کیفیت دیکھکر رویا، اور بولا۔
"اے شخص اپنی حالت پر رحم کر اور اس ام الخبائث سے توبہ کر، یہ وہ شئے
ہے جس کا ایک قطرہ اگر دریا میں گر پڑے تو پانی حرام ہو جائے، بدن سے چھو جائے
تو کاٹکر پھینک دے۔ پینے کا حکم ہی کیا۔ ڈر خدا سے، موت کو برحق سمجھ اور یاد رکھ دوزخ بھی
تجھ جیسے پلید سے امان مانگے گی۔ یقیناً تیرا یہ ناپاک جسم جہنم کو نجس کر دیگا، ابھی
ابھی توبہ کا وقت باقی ہی لیکن وہ وقت دور نہیں کہ زبان بند ہو جائے، ہاتھ پاؤں
کام نہ دیں، اور توبہ کا وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے۔

ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلہا واللہ خبیر بما تعملون

چند روزہ زندگانی اور اس عارضی عیش پر بھول کر تو خدا کے احکام کو بھول گیا۔
اور ابدی عذاب گوارا کر لیا۔ نماز، روزہ، جھوٹ، حسد، غیبت سب کی عذاب
کے بعد مغفرت ہی اور نہیں ہی تو شرک اور شراب کی۔ کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہی
اگر اب بھی سچے دل سے توبہ کرے اور آیندہ کے واسطے عہد کرلے تو توبہ کا دروازہ
کھلا، اور اس کی رحمت کا جوش موجود ہی۔ وہ تو ایسی پاک اور بے نیاز ذات ہی کہ
تیرے سر جھکانے کی دیر ہی تو ایک بالشت سبقت کرے وہ ایک گز آگے بڑھے
خدا کے رحم و کرم اور اپنے اعمال و افعال کا خیال آتے ہی رئیس المدینہ کا نشہ
ہرن ہو گیا، آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور عذاب آخرت اس کے سامنے
نمودار ہو گیا، چیخیں مار کر روتا رہا۔ ہر چند قلب کو تسکین دیتا تھا، مگر کسی طرح
صبر نہ آتا تھا۔ کچھ ایسا خدا کا خوف اس کے دل پر بیٹھا کہ اسی طرح چیخیں مارتا
مارتا مر گیا۔

مرقان نے اس رئیس کی روح اپنے ہاتھ میں لی اور خیال کیا کہ میں ایک ادنیٰ

سی نافرمانی پر اس قدر سزا کا مستوجب ٹھیرا لیکن یہ شخص جو مسلمان ہوا اور جس کا خدا پر یقین کرنا فرض ہو اس کی تمام عمر نافرمانی میں بسر ہوئی۔ اس سے زیادہ تعجب انگیز شئے آسمانی دنیا پر اور کیا ہو سکتی ہے۔ تھوڑی دور گئے بڑھا تھا کہ ایک مکان سے رونے پیٹنے کی آواز آئی۔ یہ بھی اپنی نوعیت میں مرقان کے واسطے انوکھا سماں تھا۔ اندر پہنچا وہیں ضعیف العمر مولینا دم توڑ رہے تھے۔ مرید روتے تھے اور دیواروں سے ٹکریں مارتے تھے۔ مرقان بڑے میاں کی عظمت اور اُن کی ہمدردی کا پہلے ہی قائل ہو چکا تھا ادہر اُن کی روح جسد خاکی سے علیحدہ ہوئی، ادہر مرقان نے دوسرے ہاتھ میں اس کو بھی لیا اور روانہ ہوا۔

اس سے پہلے مرقان کو اس خدمت کے انجام دینے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایک چھوڑ دو دو روحیں مرقان کی مٹھیوں میں تھیں۔ خدا معلوم ان کو چڑیاں سمجھا یا اسپرٹ خیال کیا کہ کہیں اُڑ نہ جائیں اور بیٹھے بٹھائے مفت کی ندامت حاصل ہو۔ چاروں طرف دیکھا مسجد میں ایک بدہنی رکھی ہوئی تھی۔ ٹونٹی میں ڈاٹ لگا دونو روحیں اس میں بند کرلیں اور منہ پر چپنی ڈہک دی۔

رئیس کی روح بڑے میاں کی تنومند روح کو دیکھکر سہم گئی۔ الغرض خواہ مخواہ مردآدمی بڑے میاں کی روح نے آدہی سے زیادہ جگہ پیندے میں گھیر رکھی تھی۔ رئیس کی روح کو جو مرقان نے اوپر سے چھوڑا تو وہ بڑے موٹی روح پر اس طرح جا پڑی جیسے تربوز پر نارنگی۔ موٹی روح تاڑ تو فوراً گئی مگر ایک ایسی غضبناک نگاہ سے دیکھا کہ دبلی روح تھرا اُٹھی

موٹی روح۔ تو اندہا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی دوسرا بھی بیٹھا ہے یا نہیں۔

دبلی روح۔ مجھے خبر نہ تھی للہ معاف کیجئے۔

موٹی روح۔ اب سب خبر تجھے دوزخ میں ہو جائے گی۔

دبلی روح۔ کیا جناب کا بھی انتقال ہو گیا۔

موٹی روح ہشت، الو ہم کہیں مرا کرتے ہیں۔ تجھے دوزخ تک پہنچا کر چلے آئیں گے۔

دبلی روح تو جناب میرے ساتھ مردوں کی طرح کیوں بند ہیں۔

موٹی روح اب بتاؤں کیوں بند ہیں، ہماری بات کا یقین نہیں کرتا، ابے ہم جھوٹے ہیں، اس لیے کہ تو بھاگ نہ جائے، چل پاؤں دبا اور رستے بھر ہماری خدمت کر۔

دبلی روح اگر جناب...........

موٹی روح ابے کیا بک رہا ہے، جناب، جناب لگے تو کہہ کیا کہتا ہے۔

دبلی روح اگر جناب..........

موٹی روح لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا بدتمیز شخص ہے، آگے تو بک کیا بکتا ہے۔

دبلی روح ۔اگر جناب ....

موٹی روح اب کے ایسا تھپڑ دوں گا کہ چہرہ پھر جائیگا۔ ابے مر کر بھی بدمعاشی سے باز نہیں آتا، اگر جناب، اگر جناب بکے جاتا ہے، اگر جناب.... کیا شراب پلا دوں۔ کیا کروں۔

دبلی روح جی نہیں توبہ، توبہ صرف اس قدر عرض کرتا ہوں، کہ اگر جناب۔۔۔

....

دبلی روح کا یہ کہنا تھا کہ موٹی روح نے اس زور سے دبلی روح کے ٹکر دی کہ کوٹ میں جا کر گری، مرتان اپنی دھن میں مست، بدھنی ہتیلی پر لیے چلے جا رہے تھے کہ بدھنی کو جنبش ہوئی اور ساتھ ہی بدھنی تڑسے زمین پر، گرتے ہی چار ٹکڑے ۔ اور دونو روحیں جدھر جس کا منہ اٹھا سیدھی ہو لیں۔

اب تو مرتان کی جان نکل گئی، کہ یہ خواہ مخواہ کیا مصیبت آئی پہلے تو دونو کو ڈانٹا کہ ٹھہر جاؤ آگے نہ بڑھنا۔ مگر اسے کیا معلوم کہ انسان اشرف المخلوقات

ہے۔ جب ایک بھی نہ ٹھہری تو بے تحاشا لپکا۔ مگر عجیب تماشا تھا۔ موٹی روح کی طرف دوڑتا تھا تو دبلی غائب، اور دبلی کو پکڑتا تھا تو موٹی ندارد۔ آخر دبلی کو چھوڑ موٹی کے پیچھے ہو لیا۔ روح کی طاقت پرواز کتنی ہی تیز ہو، مگر مرفان بھی آدمی نہ تھا، جا دبوچا چاہتا تھا کہ پکڑے مگر بڑے میاں بھی افعی تھے۔ یہیں سے پر تول کر نیچے ہو لیے آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے مرفان۔ سطح زمین کے قریب پہنچکر بڑے میاں کنی کاٹ پھر اوپر اور مرفان دھم سے زمین میں۔ چوٹ بھی خاصی لگی اور جلا بھی خوب مگر بڑے میاں کہیں کے کہیں پہنچ چکے تھے۔ کمر جھاڑ جھوڑ اٹھا اور پھر لپکا، مگر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سامنے پہاڑ آیا اور موٹی روح بالکل ہی غائب ہو گئی۔ سر پکڑ کر چوٹی پر بیٹھ گیا، نہ موٹی رہی نہ دبلی، رہ گئے تو فقط مرفان۔ آدھی رات کا سنسان وقت اور بدنصیب قاان اپنی تقدیر رو رہا تھا۔ ادھر سے ملک الموت بھی آن پہنچے اور مرفان کو خالی دیکھ سلام نہ دعا۔ چھوٹتے ہی کہنے لگے۔

روحیں کہاں ہیں

مرفان (سر کھجا کر) روحیں .... موجود ہیں۔

ملک الموت موجود ہیں، کہاں ہیں؟

مرفان .... دیتا ہوں

ملک الموت تو کیا جیب میں ہیں یا کھو دیں۔

مرفان ....

ملک الموت اے کم بخت بول تو سہی اڑ گئیں۔

مرفان ....

ملک الموت اجی حضرت میاں مرفان صاحب فرمائیے تو سہی کیا گزری۔

مرفان۔ کیا عرض کروں جی ہاں اڑ گئیں۔

اتنا سنتے ہی ملک الموت تو سناٹے میں رہ گئے اور دونو کی تلاش میں روانہ ہوئے دبلی بیچاری تو اپنے گھر کے کوٹھے پر چپکی بیٹھی ہاتھ آگئی۔ مگر موٹی کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا مگر ملک الموت کیا چھوڑنے والے تھے، آٹھ دن کے بعد دیکھا تو ایک بکری کے تھن سے بڑے میاں چچڑی کی طرح لپٹے ہوئے ہیں۔ دونو روحیں ملک الموت لیکر آسمان پر چلے اور مرقان انکے ساتھ۔

انسان پر ملک الموت کو رحم آتے کبھی نہ سنا۔ مگر ہم وطنی بھی عجب چیز ہے۔ مرقان کی منت سماجت سے ملک الموت نے قریب پہنچکر دونو روحیں پھر اسی کے ہاتھ میں دیدیں اور مرقان نے ہشاش بشاش داروغہ کے پاس پہنچکر انسانی دنیا کا بیش بہا تحفہ پیش کیا۔ داروغہ کو پہلے تو بہت ہنسی آئی اور پھر کہا۔

مرقان تجھ کو سخت مغالطہ ہوا تو نے ابھی انسان کو ذرہ بھر بھی نہ پہچانا۔ تو جس نتیجہ پر پہنچا، وہ قطعی غلط ہے، انسانی دنیا کا واسطہ براہ راست رب الموجودات سے ہے اور وہ دربار ہم سے بڑا اور وہاں کے حالات ہم سے بالکل مختلف ہیں چل میرے ساتھ چل اور ان دونو کے حالات سن، داروغہ مرقان اور دونو روحیں ادہر پہنچیں تو ان دونو کے اعمالنامے کی جانچ پڑتال ہو رہی تھی۔ پہلے مولینا کی سوانح عمری اس طرح پڑہی گئی۔

یہ گنہگار روح اس ظالم شخص کی ہے جس نے ہادی بنکر خلق اللہ کو گمراہ کیا اس کی ہمدردی جھوٹی اس کا خلوص لغو اس کی محبت دہوکا۔ اس کا رونا مکر اور اسکا جبہ وعمامہ فریب تھا ان تمام باتوں کی تہ میں شہرت اس کا مقصود اور حب جاہ اس کی غرض تھی۔ اس نے نہایت بیدردی سے محض اپنے نفس کے واسطے غریبوں کے گلے کاٹے مسجدوں، مدرسوں، یتیموں اور رانڈوں کے نام سے دوسروں کا روپیہ اڑایا، اوروں کی جائداد خاک میں ملاکر اپنے مکان بنوائے۔ ہمیشہ عیوب کی تلاش

اور برائیوں کا پرچول اس کا وطیرہ رہا اس نے سنت رسول کے نام سے عمر بھر نکاح کیئے اور اس کی زندگی کا سب سے بدتر کارنامہ جو آخری عمر میں اس کے سیاہ دامن پر کلنک کا ٹیکہ ہے اس طرح شروع ہوتا ہے۔

صبح کی جھوٹی نماز سے فارغ ہو کر یہ کم بخت ایک روز صحن مسجد میں اس توقع پر ٹہل رہا تھا کہ کوئی نیا شکار آ کر پھنسے کہ دفعتہً ایک حسین عورت آتی ہوئی دکھائی دی بدنصیب تھی مگر مخلص، پریشان تھی لیکن سچی۔ انتہائے مصائب نے اس کے مزاج میں توحش پیدا کر دیا تھا اور مفارقت حبیب قریب تھا کہ اس کی دیوانگی کا باعث ہو جائے، متمول رئیس کی بیٹی تھی، مگر تقدیر کی ہیٹی، شوہر کی موت نے آنکھوں میں دنیا اندھیر کر دی تھی۔ دن کا بڑا حصہ مطالعہ کائنات اور رات کا اکثر وقت یاد دلدار میں بسر کر دیتی، پہلو میں غیور دل اور دماغ میں نفیس خیالات موجود تھے سمجھتی تھی کہ یہ تعلقات فانی یہ ہستی ناپائدار اور یہ محبت جھوٹی ہے مگر انسان تھی، قلب مضطرب میں مادۂ احساس موجود تھا اور شوہر مہجور کے خیال کا پاس لازمی زندگی کی کٹھن منزلیں اور جوانی کا پُر آشوب مانہ آنکھ کے سامنے تھا۔ کچا ساتھ تھا اور گو زر و جواہر کی کمی نہ تھی مگر ایک معصوم بچے کے سوا کوئی والی وارث نہ تھا، ڈرتی تھی کہ کہیں قدم نہ ڈگمگا جائے اور میدان حشر کی اس گھڑی میں جب شوہر سے آمنا سامنا ہو شرمندہ کھڑی ہوں آنکھ لگ جاتی تو ان ہی تفکرات میں سوتی اور اٹھ بیٹھتی تو ان ہی خیالات میں منہمک رہتی، ساری ساری رات اور پورے پورے دن خوف خدا سے تھرا تی لرزتی اور کانپتی۔ جب دل کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو قصد کیا کہ بچہ کو ساتھ لوں اور بیت اللہ چلی جاؤں کہ مکہ معظمہ کا وسیع میدان میرا مسکن اور مدینہ منورہ کی مقدس گلیاں میرا آشیانہ ہوگا، شوہر کا خیال میرا لال میرے پاس ہوگا۔ اللہ اللہ کروں گی اور اس وقت کی منتظر رہوں گی جب شوہر کی اس امانت کو کلیجے کے ٹکڑے کو زندہ چھوڑ کر خدا کے

حضور میں حاضر ہو کر اپنے محبوب سے ملوں بچہ کو کلیجے سے لگائے ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں صبح سے شام تک جنگلوں میں ماری ماری پھرتی۔ خدا کی شان تھی جس بی بی کے گھر پر ہاتھی جھوم رہے تھے، کڑکڑاتے جاڑوں میں آفتاب اس کے جسم کو سردی سے محفوظ کرتا، غروب آفتاب کے بعد رات کو آتی، اور محلسرا کے کسی گوشہ میں پڑ رہتی۔ موذن اذان دیتا۔ چڑیاں مخلوق خدا کو صبح کا پیام پہنچاتیں اور اچھی بیوی کی یہ سچی تصویر دولت و جواہرات پر لات مار اپنی بیش بہا دولت کو گود میں لے نکل کھڑی ہوتی۔ ایک دن اس کا گذر اتفاق سے اس طرف ہوا، ظالم مولانا مدت سے تاک میں تھا۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آیا۔ دیوانہ وار لپکا اور سلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہکر مسجد میں لے آیا۔ کیسا نازک وقت تھا کہ ایک طمع دنیا کا بندہ حرص اور دولت میں اندھا ایک بھولی بدنصیب لڑکی کو شیشہ میں اُتار رہا تھا، جانتا تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو میرا افسوں بیکار ہوگا حصول مقصد کے تمام ذرائع بتا کر جب سنگدل اس مضمون پر پہنچا تو آسمان کے تمام فرشتے تھرا اُٹھے۔

"خدا نے اپنے پاک بندوں پر محض اُنکی آزمائش کے واسطے مصیبتیں نازل کیں رسول اللہ نے ہمیشہ فاقہ کیے حضرت یعقوب سے یوسف کو بچھڑوا کر اندھا کر دیا۔ حضرت ابراہیم کو نمرود کے ہاتھوں آگ میں جھکوایا۔ حضرت اسمعیل کو پیدا ہوتے ہی لق و دق میدان میں بے آب و دانہ چھوڑ دیا حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے ڈالدیے اور حضرت ابراہیم سے اسمعیل کو ذبح کروا دیا۔ یہی پیغمبری کی اصلی نشانیاں ہیں۔ اور اگر تو خدا کی مرضی حاصل کرنا چاہتی ہی تو اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر اور خدا پر قربان کر دے"۔

ذبح کا نام آتے ہی ماتا کی ماری ماں نے بچہ کو جو کلیجہ سے لگا دودھ پی رہا تھا زور سے بھینچ کر چمٹا لیا۔ اور ششدر مولانا کی صورت دیکھنے لگی۔

مولانا۔ اگر ہمت ہی نو بسم اللہ کر میں تیرا ہاتھ بٹا لوں گا۔ خدا کی رضامندی آسان نہیں ہے۔ دنیا داروں کے واسطے یہ مصیبت ہی مگر اس کی تہ میں ابدی باغ اور خوشیاں ہیں، شوہر بھی لے، بچہ بھی لے اور ہمیشہ ہمیشہ کو چین کر۔

عورت۔ آپ عالم ہیں، تمام شہر آپ کا مرید ہے۔ آپ جو فرماتے ہیں درست ہے۔ مگر میرا دل نہیں مانتا۔ جس طرح گذرے گی گذار لوں گی۔

مولانا کیوں تم لوگ دنیا کے جھوٹے ڈھکوسلوں میں پھنستے ہو اور خدا کو بھول کر ابدی عذاب مول لیتے ہو وہ عذاب جس سے چھٹکارا نہیں وہ مصیبت جس کا خاتمہ نہیں اور وہ تکلیف جس کا علاج نہیں، اگر یہ بچہ خود خدا نے لے لیا تو کیا کریگی۔ جب اس کی موت اس کے اختیار میں ہی تو خود ہی کیوں نہ حاضر کردے کہ دو نو جہاں میں عزت آبرو سے بسر کرے۔ اور آسمان کی تمام روحیں تیرے استقبال کو جمع ہوں۔

عورت .... (خاموش)

مولانا لا بچہ مجھے دے، اور خدا کی قدرت دیکھہ۔

عورت کے ہوش و حواس غائب تھے، گو خدا کی رضامندی اس کو اس زبردست قربانی پر آمادہ کرتی تھی مگر جب بچہ کی محبت کا جوش آتا تھا تو بیتاب ہو جاتی تھی۔ آخر اس نے چند لحہ کی مہلت مانگی، حجرہ میں گئی بچہ کو لٹا کر پیار کیا اس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے گلے میں ڈالے اور کہنے لگی۔ نہیں نہیں میں کس دل سے اپنے بچہ کو ذبح کروا دوں۔ ہائے اس خیال سے میرا کلیجہ نکلا جا رہا ہے۔ حسرت نصیب بچہ مٹر مٹر ماں کی صورت پر ٹکٹکی لگائے دیکھہ رہا تھا اور اس معصوم کی نگاہیں ماں سے التجا کر رہی تھیں کہ مجھکو ظالم کے ظلم سے بچا کلیجہ سے چمٹا لے باہر آئی

اور رو کر کہا۔

"حضور نہیں"

مولانا اری بدنصیب تجھکو صرف شیطان بہکا رہا ہے جس طرح حضرت ایوب کو بہکایا تھا۔ تین دفعہ جلد لاحول پڑھ اور بچہ مجھے دے..... مولانا نے زبردستی بچہ گھسیٹ لیا، بچہ رویا تو ممتا کی ماری ماں کا کلیجہ نکل پڑا، بیقرار ہو کر آئی پیار کیا لینا چاہتی تھی مگر ظالم مولانا نے تیز چھری نکالی۔

بول او دغاباز انسان بتا، کہ کیا گزری ہوگی اس ماں کے دل پر جس کو تو نے جھٹک دیا اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا زمین میں ڈالکر اس کی آنکھوں کے سامنے آبدار چھری اس کے گلے پر رکھدی۔

مرفان ہم تمام فرشتے آسمان سے اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے ہمارے دل معصوم لال پر کٹ گئے مگر اس ظالم کا دل نہ پسیجا۔ بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرے پر تھی وہ اب بالکل ساکت ہوگئی تھی کہ اس شقی القلب نے چھری پھیری خون کا شرارہ زور سے نکلا، ممتا کا جوش اُٹھا اور جن چھاتیوں سے دودھ نکلتا تھا اُن سے بھی خون کا فوارہ چھوٹا۔ ایک چیخ مار کر بچہ کی لاش پر گری اور ٹھنڈی ہوگئی۔

مرفان یہ ہی وہ روح جس سے بہتر روح تجھکو دنیا میں نہ مل سکی۔ اب دوسری روح کے حالات سُن، جس کو تو بدترین خیال کر رہا تھا اور انسانی خصائل کا اندازہ کر۔

اس شخص کی عمر کا قریب قریب تمام حصہ مے خواری اور بے فکری میں بسر ہوا اور وہ چیز جو قطعاً حرام کر دی گئی تھی اس نے مطلق اس سے پرہیز نہ کیا مگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہمیشہ جاگزیں رہا اور خلق اللہ کی خدمت سے اس نے کبھی پہلو تہی نہ کی، شام کو جس وقت نوجوان بن ٹھن کر اور ضعیف العمر اپنی ضرورتوں کے واسطے بازار میں نکلتے تو یہ اس تلاش میں پھرتا کہ اس مخلوق کا پتہ لگائے جس پر

آنے والی رات فاقہ کی مصیبت ڈالے گی۔ یہ کیچڑ میں لتھڑے، ٹھٹھرے یتیم بچوں کو گود میں اُٹھاتا اور اُن کے پتے پوچھتا۔ رانڈوں اور دکھیاری عورتوں کے گھر معلوم کرتا، اپاہجوں، مظلوموں بے کسوں کے حالات دریافت کرتا اور اسی طرح روزانہ ہر محلہ میں جاتا اور شام تک رہتا۔ رات کو جب خدا کی دی ہوئی نعمت انواع اور اقسام کے کھانے اس کے سامنے آتے تو ان میں سے تین حصہ اٹھا لیتا اور ایک حصہ چھوڑ دیتا۔ یہ تین حصے اور روپے پیسے کی پڑیاں لیکر ان دروازوں اور گھروں پر پہنچتا۔ جنکا حال معلوم کر چکا ہے وہاں جاکر ان مظلوموں کے ساتھ روتا اور منت سے جو کچھ پاس ہوتا پیش کرتا بیسیوں یتیم روزانہ اس کے ہاتھ سے پیٹ بھرتے اور بہت سی رانڈیں اس کی بدولت اطمینان سے سوتیں اپاہج اس کے نام پر عاشق اور بیمار و ناتواں سچے دل سے اس کو دعائیں دیتے، رات کو یہ شخص اپنے گھر پر آکر کھانا کھاتا، شراب پیتا اور اسی حالت سکر میں روتا گڑگڑاتا، سجدہ میں گر پڑتا۔

اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے۔

"ایک روز اسی طرح رات کو یہ شخص اپنے گھر واپس آ رہا تھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں سے اس نے رونے کی آواز سُنی آسمان ابر آلود ہی نہیں بارش خاصی ہو رہی تھی۔ بجلی تھم تھم کر اور بادل رک رک کر چمک اور گرج رہے تھے، مکان کا صرف ایک کواڑ تھا، اور ہوا کی شدت سے اس کی دھڑ دھڑ ایک بیوہ عورت کا جو اپنی پانچ برس کی بچی کو لیے بیٹھی تھی، کلیجہ دہلا رہی تھی، رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور قریب قریب تمام دنیا کا ہر متنفس نیند کی لپیٹ میں آ چکا تھا مگر جاگ رہی تھیں تو یہ دو ماں بیٹیاں جن کے سر پر کوئی وارث تو در کنار دنیا میں کوئی اتنا نہ تھا کہ ان کے حال پر دو آنسو گرا لے۔ لڑکی بچہ تھی ماں کا دل اس وقت ہوا ہو رہا تھا۔ اور ڈر کے مارے جان نکلی جاتی تھی۔ ایک کواڑ وہ بھی

بے کنڈی کا، ڈرتی تھی، گھبراتی تھی، تڑپتی تھی اور روتی تھی، سہم سہم کر صحن میں
آجاتی تھی، ذرا سا کھٹکا ہوتا تو کلیجہ بلیوں اچھلنے لگتا۔ یہ شخص کچھ دیر وہاں کھڑا رہا
اور جب بچی کی گریہ و زاری کسی طرح ختم نہ ہوئی تو اس نے دل کڑا کر کے باواز
بلند کہا۔

"دروازہ پہ تشریف لایئے"

اتنا سنتے ہی عورت کی جان نکل گئی، وہ تھر تھر کانپنے لگی، اور لڑکھڑا کر پوچھا

کون ہے؟

شخص "ایک لمحہ کے واسطے یہاں آیئے" عورت کی روح فنا ہو رہی تھی، وہ
جانتی تھی کہ خدائے پاک کی ذات کے سوا اس وقت دنیا والوں میں سے کوئی ایسا
نہیں جو مجھکو اس ظالم سے بچا سکے۔ معلوم کون ہے، چور ہے، ڈاکو ہے۔ کیوں آیا
ہے کیا غرض ہے۔ محلہ کے آدمیوں کو چیخ کر آواز دی، مگر رات کا وقت بارش
موسلا دھار، کون سنتا تھا اور کیا ہو سکتا تھا۔ مجبور دروازے تک آئی اور
کہا، کون ہے، کیا ہے۔

شخص اگر اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے تو میں تمہارا بھائی ہوں۔ ایک بچہ اتنی
دیر سے رو رہا ہے۔ اگر یہ میرا فانی جسم جو ایک روز اس قابل ہو جائیگا کہ کیڑے کھائیں
اس بچہ کو کچھ مدد دے سکے، میرے ہاتھ پاؤں اگر اس معصوم کے دکھ کو رفع کر سکیں
اور میں روسیہ گنہگار تمہارے کچھ کام آسکوں، تو لے بہن! مجھکو حکم دے کہ میں تعمیل
کروں، میں چور نہیں ہوں لہراساں نہ کرو، بد معاش نہیں ہوں، ظالم ہوں
خدا کی نافرمانی کے واسطے زندہ ہوں، اگر تم مجھ سے کچھ خدمت لو تو مجھ سے
زیادہ خوش نصیب شخص کون ہوگا۔

عورت ششدر رہتی کہ یہ کون شخص ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ مینہ زور سے

پڑ رہا تھا اور دونوں کپڑے بھیگ رہے تھے، کچھ دیر تک وہ خاموش رہی اور پھر کہا۔
نہیں نہیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ کا احسان ہے آپ جائیے۔
عورت کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ اندر سے بچی نے نہایت درد سے رو کر کہا۔
اماں میری چوڑیاں آگئیں
شخص آپ میری طرف سے مطمئن رہیں اس وقت دنیا عالم خواب میں ہے۔ مگر ایک زبردست طاقت والا مالک میرے دل کی کیفیت سے واقف اور میری حالت کو دیکھ رہا ہے میں اس آدھی رات کے وقت میں اسی کو گواہ کرتا ہوں کہ میں دھوکا نہ دونگا۔ تم میری بہن ہو، جو امکان میں ہے وہ مدد دوں گا۔ خدارا یہ بتا دو کہ یہ بچی کیسی چوڑیاں مانگ رہی ہے۔
عورت ہماری داستان مصیبت تمہارا دل ہلا دیگی ہم تمہاری عنایت کے شکرگزار ہیں۔ بھائی جاؤ اپنا کام کرو۔ مینہ پڑ رہا ہے۔ مفت میں بھیگ رہے ہو خدا تم کو خوش رکھے۔
شخص بہن میں نے تمکو ابھی خدا کا واسطہ دیا ہے اور پھر دیتا ہوں کہ مجھپر بھروسہ کرو اور للہ مجھکو اپنے درد میں شریک کرو۔
عورت اگر تم سچے ہو اور مجھ دکھیاری بیوہ اور اس یتیم بچی کے ہمدرد، اور مجھ جیسی عورت کو جو سچ مچ مصیبتوں کی پوٹ ہے دھوکا نہیں دیتے تو شوق سے اندر آجاؤ، مگر یاد رکھنا انسانی دنیا مصیبتوں کا پہاڑ مجھپر توڑ چکی ہے۔ اب یہی مصیبت تمہارے سامنے میرا خاتمہ کردے گی۔ اور اس ننھی سی جان کا صبر تمہاری جان پر ہوگا۔ آؤ اندر آجاؤ۔
عورت نے ایک چادر سر پر اوڑھ لی۔ مٹی کا ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اس شخص کے زیادہ اصرار سے اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا۔

میں نام تو نہ بتاؤں گی، مگر ایسے شوہر کی بیوی ہوں جس کے دستر خوان سے بیسوں اللہ کے بندے روزانہ پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا اور موت میرے شوہر کو مجھ سے جدا کر گئی، تو یہ بچی جو آج پانچ سال کی ہے دوسرے برس میں تھی، اثاثہ ہمارے پاس کافی تھا۔ مگر لوگوں نے ہم سے بے ایمانی کی اور ہمارا مال غصب کر لیا۔ افلاس میں عزیزوں نے ہم سے آنکھیں پھیر لیں۔ کچھ عرصہ تک زیور سے کام چلایا۔ مگر وہ بھی کب تک چلتا ختم ہوا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لیا دن بھر ٹوپیاں سیتی ہوں اور جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتی ہوں اور اس کو کھلا دیتی ہوں، میرے بنے ہوئے زمانہ کی ایک بڑھیا ماما کبھی کبھار آ جاتی تھی میں نے اس سے التجا کی کہ وہ میرے پاس سو رہا کرے۔ اس نے میری درخواست منظور کی اور اس طرح میری تنہا راتیں اس کے ساتھ بسر ہونے لگیں، اور میرا غم اس کی بدولت غلط ہونا شروع ہو گیا۔ آج صبح کو بڑھیا اپنے ایک پہلوان بیٹے کو لیکر آئی اور کہا چار روپے مہینے کے حساب سے پانچ مہینے رات کے سونے کی تنخواہ بیس روپے دیدو میں حیران تھی کہ میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا مگر اس کے لڑکے نے خفا ہونا شروع کیا اور کہا میں گھر میں گھس کر برتن بھانڈے اٹھا لیتا ہوں۔ محلہ والے جمع ہوئے میں نے بڑھی بی کے سونے کا اقرار کیا اور سب نے ملکر دس روپے پر فیصلہ کر دیا۔ بھائی اب ہمارے یہاں تانبہ کا برتن کوئی نہیں البتہ چند مٹی کے برتن موجود ہیں۔ مگر اس بچی کے پاؤں کی چار چوڑیاں بڑی بڑی مصیبتوں اور سخت تکلیفوں میں بچا کر رکھی تھیں وہ بڑی بی نے زبردستی اس کے پاؤں سے اتار لیں۔ بچی سب لوگوں کا منہ دیکھتی رہی اور وہ چوڑیاں جو بیس اکیس روپے کی بنوائی تھیں پڑوس کے ایک شخص نے دس روپے دیکر لے لیں۔ یہ بچہ تو بہتیرا سمجھاتی ہوں لیکن نہیں مانتی یہانتک پہنچکر عورت کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے ...

مگر ضبط کیا، اور خاموش ہوگئی، بچی سوگئی، مگر دفعتہً چونکی، اور اٹھ بیٹھی، ایک غیر شخص کو دیکھتے ہی فوراً کہنے لگی۔

اماں میری چوڑیاں یہ لائے ہیں

موذن اذان دے رہا تھا کہ یہ شخص اس آدمی کا پتہ پوچھکر جس نے چوڑیاں لی تھیں روانہ ہوا، دیکھا تو وہ نماز کے واسطے بالکل ہی تیار تھے بہت منت سے کہا۔

دس روپے لے لیجئے، وہ چوڑیاں دیدیجئے

نمازی صاف انکار کرگیا اور بمشکل پندرہ روپے پر چوڑیاں دینے کو رضامند ہوا اس شرابی نے جس وقت وہ چوڑیاں اس بچی کو پہنائی میں اور اس نے اچھل کر کہا کہ

اے بی اماں میری چوڑیاں آگئیں

اس کی قیمت تمام انسانی دنیا بھی نہیں ہے، مرقان یہ بہترین روح ہے جو خدا کے خوف سے ڈر کر مری۔

کچھ سنا اے کم بخت مولینا تو جس نے جوانی میں مدتوں ڈاڑھی منڈوائی اور ایک نماز بھی سچی نہ پڑھی۔ تجھکو کیا حق تھا کہ دوسروں کے اس فعل پر اعتراض کرے جو حقوق العباد میں شامل نہیں ہے۔

گر مے نخوری طعنہ مزن مستاں را | گر تو بدہد توبہ کنم یزداں را
تو فخر کنی کہ من مے نخورم | صد کار کنی کہ مے غلام ست آں را

مرقات کی یہ کوشش بیکار رہی، جاؤ، پھر تلاش کرو، اور انسانی دنیا کا ایک ایسا تحفہ لاؤ، جو تمہارے عفو قصور کا باعث ہو سکے۔

(۴)

گنگو سے تھوڑی دور ایک آراستہ پیراستہ عالیشان محلسرا آسمان سے کھڑی اس شخص کے زاد رجمنا کی لہریں با دصرصر کی اٹکھیلیوں سے مدہوش ہو کر

جہاں جھوم جھوم کر مدفن ارجمند بانو پر قربان ہوتی ہیں وہاں ایک سرسری نگاہ
اس عمارت پر بھی ڈالدیتی ہیں، رات کا ابتدائی حصہ ہے، مگر چاند کی روشنی
محلسرا کے پائیں باغ میں سرو کے درخت سے چھن چھن کر ایک چاند سے چہرہ پر پڑ رہی
ہے۔ یہ بارہ تیرہ برس کی ایک بھولی ناتجربہ کار لڑکی ہے۔ اس کے کپڑے معمولی بلکہ
میلے اس کا جسم زیور اور آرائش ظاہری سے ناآشنا گم سم کھڑی ہے۔ لیکن
ایک جوان بنا ٹھنا جس کے عطر کی لپٹوں اور پھولوں کی مہک نے باغ کو بھی
مات کردیا۔ اس کے پاؤں پر سر رکھے رو رہا ہے۔ یہ حالت چند لمحہ طاری رہی اور
اس کے بعد اس لڑکی نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

بھائی اکرم، خدا کے واسطے اٹھو تو سہی، بتاؤ میں کیا کروں۔ دیکھو کتنی دیر
آئے ہوئے ہوگئی، اگر کہیں ابا جان پوچھ بیٹھے، تو کیا ہوگا، بس تم جاؤ۔ اب نو
بج رہے ہیں۔ ان کے آنے کا وقت ہے میں جاتی ہوں۔

اکرم (میری چچازاد بہن) للہ یہ چاقو لو اور اپنے ہاتھ سے میرے کلیجے میں
بھونک دو، ہائے کیا کروں، دنیا مر رہی ہے، مجھے موت نہیں آتی حسینہ میں
کچھ نہیں جانتا، میں صرف اس مورت کی پرستش کروں گا۔

حسینہ بھائی، تو بتاؤ میں کیا کروں، میں کس غضب میں پھنس گئی میں
یہ پرستش ورستش کیا جانوں، تم سر اٹھاؤ۔ دیکھو گڑگڑ ہو رہی ہے۔ ابا جان کی
گاڑی آگئی۔ اچھی بھائی اکرم سر اٹھاؤ۔

اکرم تم نے جہاں اتنا رحم کیا ہے وہاں اتنا رحم اور کرو کہ رات کو جب سب
سو جائیں تو چند لمحہ کے لیے اس چہرہ کی زیارت پھر کرا دینا۔ ورنہ علی الصبح تم
میری لاش یہاں پڑی ہوئی دیکھو گی۔ دیکھو یہ سنکھیا میں کئی دن سے جیب میں ڈالے
پھر رہا ہوں۔ مجھے دین و دنیا کا ہوش نہیں میری حالت ساعت ساعت ردی ہوتی

جا رہی ہو آج چار روز سے میں نے کھانے کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، پلک سے پلک جھپکانی حرام ہے بس تمہاری یاد، تمہارا خیال اور تمہاری تصویر، ہائے حسینہ مجھپر رحم کر میں اس صورت پر قربان ہوں گا۔ بس نہیں چلتا کہ یہ مکھڑا کلیجہ میں رکھ لوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بچپن کی وہ بھولی بھولی باتیں جوانی میں مجھپر یہ ستم ڈھائیں گی اور میں صرف اسی کام کا رہ جاؤں گا کہ حسینہ کو سامنے بٹھا کر اس کی عبادت کروں۔

حسینہ دات کا میرا آنا تو بہت مشکل ہے، اگر ذرا سا کھٹکا بھی ہو گیا اور کسی کو خبر ہو گئی تو کیا ہو گا۔ تم وہیں چلکر سو رہو۔ اماں جان کہہ رہی تھیں کہ اکرم کا جی خبر نہیں اب کیسا ہے۔

اکرم نہیں نہیں، بہن، بس تم اتنا رحم کرو، اگر تمکو میری اس حالت سے ہمدردی ہے اور مجھکو زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو جس طرح ہو ایک دفعہ صورت دکھا جانا ورنہ یہ لاش صبح تک اسی جگہ تمہارے انتظار میں پڑی ہوئی ملے گی۔

حسینہ اکرم بھائی! میری عقل کام نہیں کرتی، کہ کیا کروں۔ لے ہے بیچ بیچ گاڑی آگئی، میں جا رہی ہوں۔

(۱۵)

نامور سردار حاتم بے کا تیسرا اور سب سے چھوٹا لڑکا طلعت بے جس کے حسن کا سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایک قہوہ خانہ کے پاس گھاس کے ایک سرسبز قطعہ پر خاموش بیٹھا ہوا ایک مشہور فقیہہ کی لڑکی مغیرہ سے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی باتیں کر رہا تھا۔

طلعت مغیرہ! میری رائے میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی ایک عورت کو کسی مرد کی بیوی بننے سے جو حق حاصل ہوتے ہیں نہایت خلوص سے

ان سب کا تم سے وعدہ کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں باقاعدہ طور پر کسی دوسری عورت کا شوہر زندگی بھر نہیں ہو سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں اپنے باپ کے حکم اور لاچار اپنی ماں کے اصرار سے کہ وہ باوجود سخت کوشش کے رضامند نہیں ہوئے۔ اور اسی تحریک کا نتیجہ ہی کہ میں قطعاً غیر متوقع اتنی دور دراز جگہ بھیجا جا رہا ہوں۔ قرنی سرکشوں کا قضیہ ایسا نہ تھا کہ اس کی شرکت کے واسطے مجھکو حکم دیا جاتا۔

مغیرہ۔ اس خیال کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تم باوجود اس حیثیت کے کہ میں تمکو پسند کرتی ہوں، مجھہ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے ناجائز مطالبات پر دم بھر کے واسطے بھی غور کروں۔ مجھکو اپنے جذبات اپنی خواہشوں اور اپنی ضروریات کا قتل کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہی۔ بمقابلہ اس کے کہ میں اپنے باپ کی شہرت پر بٹہ لگاؤں تم نے آج پھر وہی گفتگو کر کے میرے خیالات کو تکلیف پہنچائی۔

طلعت مغیرہ! میں ایک عرصہ دراز کے واسطے تم سے اب جدا ہو رہا ہوں پھر رات اس سے پہلے کہ آفتاب کا استقبال کرے، مجھہ کو تم سے کوسوں دور کر دیگی یہ تھا وہ خیال جو اس نازک وقت میں برسوں کے ارمان کو زبان پر لے آیا۔

مغیرہ، اگر تم کو میری دل آزاری کا خیال ہوتا تو یہ تجویز زبان پر دوبارہ آتی میں تمہارے مقابلہ میں ایک غریب باپ کی بیٹی اور کم حیثیت انسان ہوں مگر تمول اور اعزاز انسانیت کا معیار نہیں۔ یقیناً میں تمہارے خیالات کی اس قدر دل آزاری کبھی جائز نہ سمجھہ سکتی خیر مٹی ما مضیٰ تمہاری ٹرین ٹھیک تین بجکر بیس منٹ پر روانہ ہوتی ہی اور مجھے امید نہیں کہ میں اس وقت اسٹیشن پر پہنچ سکوں۔

طلعت اس وقت تمہارا آنا مناسب بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ اسٹیشن پر موجود ہوں گے۔ جن کی نگاہ میں تمہاری موجودگی باوقعت نہ ہو۔

مغیرہ۔ میں خود سمجھ سکتی ہوں۔

طلعت۔ اچھا مجھے اب چلنا چاہیئے، گیارہ بج چکے ہیں۔

مغیرہ۔ مجھے تمہارے روکنے کا ایسی حالت میں کہ تم جانا چاہتے ہو کوئی حق نہیں ہے

طلعت (ہاتھ بڑھا کر) خدا حافظ!

مغیرہ اچھا اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو خدا حافظ!

(۶)

قرقاش کے وسیع میدان میں ہزارہا بندگانِ خدا دونو طرف سے اپنے وطن پر جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ آفتاب کے نکلتے ہی سنگینوں کی چمک نے تمام میدان کو جگمگا دیا۔ دشمن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ تھی مگر وطن کا جوش ایسا نہ تھا کہ سلطنت آسانی سے کامیاب ہو جاتی، دفعتہً اُن کے کمانڈر نے ایک موثر تقریر کے بعد حملہ کا حکم دیا، سلطنت نے بھی اس وقت خوب دشیجاعت دی دن بھر خون ریز جنگ جاری رہی، یہانتک کہ آفتاب کی تیز شعائیں دھیمی پڑ گئیں اور جب اس پر بھی لڑائی ختم نہ ہوئی۔ آفتاب آنکھ سے اوجھل ہو گیا، تو طلعت بے تے بے جگری سے چار پانچ زبردست حملے دشمن پر کیے اور اس کا خیال تھا کہ اب اندھیرے میں آخر حملہ دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیگا۔ مگر ایک شخص نے مقابل میں آکر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ طلعت کے سخت زخم آیا اور وہ اسی حالت میں بیہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا، رات زیادہ آگئی تھی۔ معرکہ دوسرے روز کے واسطے ختم ہوا، اور طلعت بے اسی میدان میں بیہوش پڑا تھا کہ ایک سپاہی اس کو اُٹھا کر راتوں رات کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ زخموں کی حالت روز بروز

خراب ہوتی رہی مشہور ڈاکٹر علاج میں سرگرمی سے مصروف تھے مگر افاقہ کی
کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، دماغ پر ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا کہ بسا اوقات اس کی
باتیں مجنونانہ اور اس کی حرکتیں دیوانہ وار ہوتی تھیں۔ بالآخر اس ملازم سپاہی
کو بھی مایوسی ہوئی اور اس نے سمجھ لیا کہ اب طلعت کی حالت رو بہ صحت نہیں
ہوسکتی قدیمی نمک خوار تھا، اور جو مال متاع پاس تھا وہ سب ختم کر چکا اور اب
صرف اس قدر باقی رہ گیا کہ دونوں وطن پہنچ سکیں مگر رستہ کی زحمت اور مسافت
کی تکان ایسا خطرناک سماں آنکھ کے سامنے تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی۔ گو ڈاکٹروں
کی رائے میں ابھی مایوسی کے آثار موجود نہ ہوئے تھے مگر سپاہی کی ہمت بالکل
ٹوٹ چکی تھی بالآخر اس نے مصمم عزم کیا کہ علی الصباح طلعت کو لے کر روانہ
ہوجائے لیکن رات ہی کو یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی کہ دشمن کا قبضہ دریائے
میلنٹ پر ہوگیا، اور تمام رستے بند ہوگئے۔ مجبور قصد فسخ کرنا پڑا اور وہ روپیہ
جو سفر کے واسطے رکھا گیا تھا۔ پھر تیمارداری میں صرف ہونا شروع ہوا۔ اس
مرتبہ بھی دماغ کی حالت اصلاح پر نہ آئی اور ساتھ ہی بخار کا ایسا زبردست
حملہ ہوا کہ سپاہی کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے۔ یہ بخار اکیس روز
کے بعد رفع ہوا۔ تو طلعت یوں تو ظاہر تندرست تھا، مگر اس کی صورت
مردوں سے بدتر تھی فقط آنکھیں باقی رہ گئی تھیں جو ڈگڈگ کرتی تھیں
اُن میں بھی اتنی طاقت نہ تھی کہ پورے لمحہ بھر کے واسطے اچھی طرح کھل سکیں۔
رفتہ رفتہ زخم اچھے ہونے شروع ہوئے، طاقت بھی کچھ آنے لگی تو طلعت کو
اس سپاہی کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ صورت پہلے کی دیکھی
ہوئی تھی مگر پہچان مطلق نہ سکتا تھا دو ایک دفعہ خود ہی سوال کیا مگر دیکھ کر سپاہی
نے چیں بجبیں ہو کر ٹال دیا خاموش ہوگیا لیکن دل میں ایک کرید ہر وقت لگی

رہتی ہو کہ یہ شخص جس نے اپنے تمام عیش و آرام مجھپر قربان کر دیے، جس کی بدولت میری جان میں جان آئی، کون ہی، اور میں اس کے احسانات کا کیا معاوضہ کر سکتا ہوں ہر چند دماغ پر زور دیتا مگر مطلق پتہ نہ لگا سکا۔ ایک روز وہ عالم تنہائی میں بیٹھا مغیرہ کی پچھلی چٹھیاں پڑھ رہا تھا کہ دفعتہً اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو راتوں رات یہاں سے بھاگ کر گھر پہنچے۔ گو رستہ خطرناک تھا، مگر دونو کامیاب ہوئے اور کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر وطن کی سرحد پر جا پہنچے۔ اس وقت سپاہی تھوڑی دیر کے لیے آنکھ سے اوجھل ہوا۔ اور زنانہ لباس میں سامنے ہو کر کہا۔ میں وہی کنیز مغیرہ ہوں۔ اب خدا تمہارا وطن تم کو مبارک کرے۔ میں رخصت ہوتی ہوں۔

(۷)

نصیرہ بہن آج آٹھ دن سے میں دیکھ رہی ہوں کہ روز رات کو ساری رات اس نیم والے مکان میں سے رونے کی آواز آتی ہی اور اس درد سے کہ کلیجہ پر چوٹ لگتی ہی۔ نہ معلوم کون اللہ کا بندہ ایسا مصیبت کا مارا ہی کہ جس کو پلک سے پلک جھپکانی حرام ہی۔ یہ مکان ہمارے ہوش سے آباد ہی۔ کچھ آج کل کا بسا بھی نہیں کہ نئے لوگ ہوں، مگر اتنی بات ضرور ہی کہ جو کوئی بھی رہتا ہی، برسوں گزر جانے پر بھی آج تک ملنا جلنا تو درکنار کبھی کسی بچے کی بڑے کی عورت کی مرد کی ہوں تک نہ سُنی۔ سوائے اس گریہ و زاری کے کہ جس سے میرا کلیجہ دہلتا ہی۔ کل ادہر تو مجھکو اماجان کی بیماری کا فکر بندھ رہا ہوا تھا۔ ادہر سے جو یہ دردناک صدا آئی ہی تو کلیجہ کا یہ حال تھا کہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ کہتی تھی کہ پر ہوں تو اُڑ کر پہنچ جاؤں۔ ہمارا فرض ہی کہ ہم اپنے پڑوسی کو جو کچھ ممکن ہو مدد دیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہم دونو چلیں۔

نصیرہ۔ بوا، چلنے میں تو ہرج نہیں۔ مگر پرایا گھر، انجان لوگ، کیا خبر آنے دیں نہ آنے دیں۔ تم ابھی کہتی تھیں کہ برسوں ہو گئے، مگر دیوار بیچ پہ تاک پتہ نہیں کہ کون ہیں کیا کرتے ہیں۔ چلنے کو چلی چلو مگر نہ گھسنے دیا تو بڑی کرکری ہوگی۔

اسلم۔ ہم اپنا فرض ادا کریں کرکری کیا ہوگی۔ نہ آنے دیں گے چلے آئیں گے مگر مردانہ ہوا تو بڑی مصیبت ہوگی۔ نگوڑے مردوں کی جھڑکیاں کون سنے گا۔

نصیرہ۔ جب ارادہ کیا ہے تو بسم اللہ کرو۔ اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈر مگر ڈولیوں میں چلنا ٹھیک نہیں۔ برقعہ اوڑھ لو۔ مردانہ ہوگا لوٹ آئیں گے۔

اسلم لے ہے بہن نہیں دن دہاڑے برقعہ میں۔

نصیرہ۔ ہرج کیا ہے ڈولی میں چلنا تو ہرگز مناسب نہیں۔

اسلم۔ اور جو کسی کو خبر ہو گئی تو۔

نصیرہ نیک کام کو چل رہی ہیں۔ اللہ نیت کے حال کو جانتا ہے لو بہنتی ہو تو اٹھو

اسلم۔ چلو۔

دونوں نے برقعہ اوڑھا اور جلدی سے نکلکر نیم والے دروازے میں پہنچیں تو وہی دردانگیز رونے کی آواز آرہی تھی۔ پہلے دونوں نے مشورہ کیا اور پھر جھانک کر دیکھا تو آدمی نہ آدم زاد ایک عورت نہایت ردی حالت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے پرانے دہرانے بچھونوں میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ اتفاق سے دروازہ کی طرف تھا۔ ان دونوں کو دیکھکر اس نے کچھ سوچا اور کہا ہو لو اگر آنا چاہتی ہو تو شوق سے اندر آؤ۔ دونوں اندر گئیں۔ کوئی اچھی جگہ اندر بیٹھنے کو نہ تھی۔ بوریئے بھی ٹوٹ کر زمین سے بدتر ہو گئے تھے۔

اس عورت نے دونوں کو بیٹھنے کے واسطے کہا اور یہ خاموش بیٹھ گئیں۔

جب زیادہ دیر گذر گئی تو اس عورت نے کہا، بیو لو۔ آپ نے کیسے تکلیف

کی کیا غرض ہے۔ کہاں رہتی ہو۔ کس کے پاس آئی ہو۔

نصیرہ۔ ہم آپ کے پڑوسی ہیں۔ آپ سے ملنے کو بہت روز سے جی چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آج دل کڑا کر کے آگئے اور احسان مند ہیں کہ آپ نے اندر آنیکی اجازت بھی دیدی۔

عورت میں اس محلہ میں مدت سے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی آپ نے تکلیف نہ فرمائی۔ ان دنوں میں آپ کا جی کیوں مجھ سے ملنے کو زیادہ چاہا۔

نصیرہ اگر ناگوار نہ ہو تو ہم مفصل کیفیت عرض کریں۔

عورت ناگوار کیا ہوگا۔ میں اس درجہ کو طے کر چکی کہ کوئی بات گوارا یا ناگوار ہو۔

نصیرہ یہ تو آپ نے ایک معمہ فرما دیا۔ انسان زندگی میں کس طرح ایسے درجے کو طے کر سکتا ہے۔

عورت خیر اس بحث کو جانے دیجئے۔ اس میں کیا رکھا ہے۔ آپ اپنے آنے کی وجہ فرمائیے۔

اسلم چند روز سے ہم اس گھر سے ایسے دردناک رونے کی آواز سنتے ہیں کہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ یقین کیجے کہ نیند قطعی اڑ جاتی ہے کئی دفعہ یہ قصد کیا کہ اسی وقت آئیں اور آپ سے ملیں۔ مگر رات کا وقت ہوتا ہے شاید آپ آنے کی اجازت نہ دیں۔ نہ آسکے۔

عورت۔ آپ مطمئن رہیں کہ آئندہ آپ کو ایسی تکلیف نہ ہوگی۔ اور آپ تشریف لیجائیں۔

نصیرہ۔ ہم ابھی چلے جاتے ہیں لیکن اس آنے سے جو ہماری غرض تھی وہ پوری ہی نہ ہوئی۔

عورت - آپ وہ غرض بھی فرمائیے۔
اسلم - کیا اس رونے میں ہم کچھ مدد دے سکتے ہیں کہ وہ تکلیف کسی طرح کم ہو
اتنا سنتے ہی عورت کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کا نڈھال چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اب نکل پڑیں گی۔ اور وہ تھوڑی دیر خاموش رہی غصہ ضبط کیا اور کہا۔
آپ ہماری مدد کو آئی ہیں
میں آپ کی شکر گزار ہوں، مگر آپ کی ہمدردی کی محتاج نہیں۔
کوٹھری میں سے کسی کے کہانسنے کی آواز سنکر اسلم اور نصیرہ دونوں نے برقعہ فنبھالکر اوڑھ لیا اور کہا کاش ہم اپنی ایک بہن کو کچھ مدد پہنچا سکتے تو ہم سمجھتے کہ ہم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ آپ ہم کو اپنی تکلیف میں شریک نہیں کرتیں۔
عورت میری داستان مصیبت ایسی نہیں کہ کوئی اس میں شریک ہو سکے یا اب اس کو ہلکا کر دے، جو مصیبت آگئی اب کسی طرح ٹل نہیں سکتی، جو تیر کمان سے جو بات زبان سے نکل چکی اب اس کا واپس آنا مشکل ہے۔ بہنوں میں بیمار ہوں اور اب میرا آخر وقت ہے۔ صرف میرے پاس ایک چیز ہے جس کو میں کسی امین کے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔ مگر آہ اس کمبخت دنیا میں انسان.........
امین.................. عورت کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس نے بیٹی ہوئی دری کے نیچے سے ایک تصویر نکالی اور کہا
امین، امین، بہتر امین۔
معزز بہنو! میں تمہاری ہمدردی کی دل سے ممنون ہوں۔ یقین کرو

کہ تم میری مصیبت میں کام نہیں آسکتیں، اور ایک تم کیا کوئی بھی نہیں آسکتا
تم میری مصیبت سننے کے بعد ہمدردی تو درکنار، شاید مجھ سے ہزاروں کوس
دور بھاگ جاؤ، مجھے وہ مرض ہے کہ تیری ہوا سے میں وہ بیمار ہوں کہ اس وبا سے
اور میں وہ کم بخت ہوں جس کی صدا سے دنیا کانوں پر ہاتھ دھر لیگی۔ تم میرے
رونے سے متاثر ہوئیں۔ انسانیت کا فرض ادا کیا، شکرگزار ہوں اور یقین
دلاتی ہوں کہ اب یہ آواز نہ سنو گی۔ بے چینی کے نالے بے صبری کی فریاد
بے کسی کا شیون۔ بے بسی کی زاری۔ عالم بیخودی میں زبان تک آگئی تکلیف
ہوئی بیوی معاف کرنا اچھا سلام۔

عورت کے تیور بگڑے جاتے تھے، اس کے قلب کی کیفیت عجیب تھی
مصیبت میں غصہ اور پریشانی میں جرات اس کی گفتگو سے ٹپک ہی تھی اور گو
اس کا لباس کثیف، اس کی صورت رذیل اس کا گھر ذلیلوں کا ذلیل تھا
مگر اقبال اس کے چہرے سے ظاہر اور رعب اس کی شکل سے عیاں تھا، وہ
کبھی روتی تھی اور کبھی غصہ میں تھرا اٹھتی تھی مگر کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ذرا
جوش میں اٹھتی تو چکر آتے اور بیٹھ جاتی۔

نصیرہ۔ بی بی ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن آپ سے ایک دفعہ پھر منت سے
التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنی امانت . . . .

عورت ہٹو ہٹ جاؤ۔ اس ذلیل دنیا کی کم بخت دغاباز روحوں ہٹ جاؤ
دنیا کے بسنے والو بے ایمانو! تکلیف نہ دو چھوڑ دو۔ للہ مجھے چھوڑ دو۔ اے بیوی سا
رحم۔ اے بیگموں کرم۔ لے پڑو سنو بخشش! (تصویر نکالکر)
ہاں! ہاں! اے سچے امین! امانت . . . .

عورت کا چہرہ غصہ سے پھر لال ہوگیا۔ مگر یہ کیفیت تھوڑی دیر رہی اور

اس کے بعد آنسو کی جھڑیاں بہ گئیں - وہ ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری۔

بہنو !، اب اس زخم پر نمک نہ چھڑکو۔

تم ! شوہروں کی بیویاں، بچوں کی مائیں، ساسوں کی بہوئیں، نندوں کی بھاوجیں ہو، رات سر پر آرہی ہے- اب جاؤ ایسا نہ ہو، ایک ذلیل، کمینہ، بدترین عورت کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچے - میری ہمدرد بہنو! جاؤ اپنے اپنے گھر سدھارو، رات میری ہمدرد ہوگی اور رات کا اندھیرا میرا مونس، تارے مجھ پر لعنت بھیجیں گے آسمان اور ہوا کا ہر ٹھنڈا جھونکا مجھ پر ملامت کرے گا۔

اس وقت سلمیٰ اور نصیرہ دونوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ہم کسی قابل نہیں، مگر خدا کا واسطہ بی بی ہم سے خدمت لو، اور ہم کو اپنی کیفیت سنا دو، عورت سنبھل کر بیٹھ گئی اور جوش میں دیوانہ وار کہنے لگی !

سنتی ہو، سنو- آہ میں کون ہوں، کیا ہوں، جانتی ہو، نہیں جانتی ہیں اس باپ کی بیٹی ہوں، جو میری صورت کا دیوانہ تھا جس کے در سے کبھی حاجتمند خالی نہ پھرا- اس ماں کی بچی، جس کا فیض آجتک جاری ہے- ہائے کیونکر کہوں- یہ دونوں ماں باپ ابھی زندہ ہیں اور میری تلاش میں- باپ آنکھیں اور ماں دماغ کھو چکی ہیں- میں ابھی اچھی طرح جوان بھی نہ ہوئی تھی - دنیا کے نشیب و فراز مطلق نہ سمجھ سکتی تھی کہ ایک دغاباز ڈاکو کا شکار ہو گئی وہ کمینہ انسان میرا چچازاد بھائی تھا جس نے مجھکو یقین دلایا کہ اگر میں چند لمحہ کے واسطے آدھی رات کے وقت پائین باغ میں جاؤں گی تو سنکھیا کھالیگا - میں اس کی گھاتوں سے ناواقف اس کے مکر سے بیخبر جا پہنچی اور اس دغاباز نے خاندانی جوہر میرے باپ دادا کی عزت میرے شیشۂ عصمت کو بالکل چکنا چور کر دیا۔ اس وقت کا دیکھنے والا اور اس حال کا جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ درخت جو میرے سر پر سرا بستہ تھے

اور وہ عالم الغیب جو پوشیدہ رازوں کو معلوم کرنے والا ہے۔ مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا اور کیا ہوگا۔ مگر قدرت نے اس مصیبت کی یادگار، اس ظلم کا انجام میرے واسطے چھوڑا۔ اور یہ وہ لڑکی ہے جس کے کھانسنے کی آواز تم نے اندر سے سُنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا اور مجھکو یقین ہوگیا کہ اب میری ہستی ایک معزز خاندان کی تمام عزت آبرو پر پانی پھیر دیگی، تو میں نے اس شقی القلب کو ایک خط لکھا اور لکھدیا کہ میں اس شہر سے غارت ہوتی ہوں اور فلاں وقت اس گھر سے ان گھر والوں سے اور چیزوں سے اور ان لوگوں سے ہمیشہ کو رخصت ہو جاؤں گی چنانچہ میں نے اپنا بیش بہا جواہرات کا زیور اور جس قدر روپیہ لے سکتی تھی، ساتھ لیا اور ان ماں باپ کو جن کی صرف میں ہی ایک کلوتی بیٹی تھی سوتا چھوڑ چل کھڑی ہوئی تو ادہر سے اس شقی القلب کی برات آرہی تھی اور وہ دولہا بنا گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ میں نے دور سے اس کی بیوفا نظریں دیکھیں اور جدہر منہ اٹھا چل نکلی۔ مسامیہ سے میں نے اس کو خط لکھا اور اپنا مفصل پتہ بتا دیا۔ کئی روز بعد اس کا یہ خط مجھے ملا، جو ہر وقت میرے پاس رہتا ہے۔

> حسینہ! تم نے بڑی غلطی کی کہ تم یہاں سے چلی گئیں تمہاری عزت تو برباد ہوئی ہی تھی۔ لیکن اب تمہارے فرار سے میری بھی بدنامی ہوگی۔ اس وقت میرا آنا مشکل ہے۔ ممکن ہوا تو اگلے مہینے میں آنے کی کوشش کروں گا۔

مسامیہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جو میرے دامن عصمت پر کلنک کا ٹیکہ ہے رات بھر اپنے فعل پر روتی، اور دن بھر اپنی حالت پر آنسو گراتی ہوں، سنا ہے ماں باپ روتے روتے اندہے ہوگئے۔ گو یہ ممکن ہے کہ میں پھر ان سے جا ملوں لیکن یہ منہ اب اس قابل نہیں رہا۔ میری حالت ردی ہوگئی، اور موت قریب ہے

صرف اس کمبخت کی یادگار امانت میرے پاس موجود ہے۔ اور اس کے خیال سے مجھ پر مصیبت کا بار بہت زیادہ ہو گیا۔

بتاؤ بیوی! کیا مدد دے سکتی ہو۔ دیکھو بخار چڑھا ہوا ہے۔ چند گھنٹوں یا دنوں کی یہ ناپاک روح اور اس دنیا میں مہمان ہے۔ تم اتنا کرم کرنا کہ میرے بعد اس بچی کو اس سنگدل باپ کے پاس پہنچا دینا۔ حسینہ کی حالت بدتر تو پہلے ہی تھی۔ اس کا جوش اور بھی تڑپی کر گیا اور اکرم کی خطرناک تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ دانت چبانے اور سر دھننے لگی۔ اور اسی حالت میں تڑپتے تڑپتے مر گئی۔ مرتان نے اس روح کو قبضہ میں لیا اور آگے بڑھا۔

(۸)

مساجد سینڈین کے پاس ایک مشہور شفا خانہ میں مریضوں کا مجمع ہے اور ڈاکٹر باری باری ہر مریض کو دیکھکر نسخہ تجویز کر رہا ہے۔ گیارہ بجے کے بعد جب مریض چلے گئے تو ایک برقعہ پوش عورت نے آکر نبض دکھائی اور تمام کیفیت بیان کرنے کے بعد نسخہ کی منتظر تھی کہ دفعۃً ڈاکٹر نے آواز بلند کہا۔

چلی جا، فوراً چلی جا، یہ متعدی مرض ہے اور اس کی ہوا بھی برابر بیٹھنے والوں کی موت کا باعث ہو گی۔

تقدیر کی خوبی ہے کل نکاح ہے اور آج یہ مرض شروع ہوا۔ اللہ اللہ تیری قدرت کے بھی کیا کھیل ہیں۔ طلعت کہ والدین میری خدمات کے صلہ میں اب نکاح پر رضامند ہوئے تو یہ مصیبت آئی۔ مجھکو کوئی ظاہری تکلیف نہیں صرف کہنی میں ایک دانہ ہے جس میں کسی قسم کی سوزش نہیں۔ تکلیف نہیں۔ مگر ہاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ بہر حال جو کچھ ہوگا دیکھا جائیگا۔ اس وقت وہ ارمان جو میری زندگی کا ماحصل تھا پورا ہو رہا ہے میری اگر زندگی سے کوئی توقع تھی

تو صرف یہ کہ طلعت میرا شوہر ہو، وہ پوری ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کامیابی اس سے زیادہ خوشی اب میں اس دنیا سے کیا لوں گی۔ مگر نہیں نہیں! محبت کا دعویٰ کر چکی ہوں اور سچ مچ مجھکو طلعت سے محبت ہے، کیا محبت کے یہی معنی ہیں کہ میں اپنی آرزو پوری کر لوں، اور طلعت کو اس مصیبت میں پھنسا دوں۔ افسوس افسوس! افسوس!

مجھے خدا زندہ نہ رکھے، اس وقت جب میں طلعت کو ایسی تکلیف پہنچاؤں" ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے، دنیا کی خوبی دیکھے۔ خوش رہے۔ یہ میرا عین مقصد ہے اور یہی عین کامیابی، دانہ بڑھتا جا رہا ہے۔ طلعت بے چینی سے کل کا منتظر ہوگا کہ نکاح ہو جائے اور وہ میرا شوہر بنے۔ مگر اس سے زیادہ میں بے چین ہوں چلوں ایک دفعہ اس کی صورت اور دیکھ لوں۔ مگر آہ اے کم بخت خود غرض بے غیرت شرم! شرم!! اگر اس وقت کی ہوا طلعت کو یہ مرض لگا دے تو محبت کا دعویٰ کہاں گیا۔

یہ ممکن نہیں کہ میں زندہ رہوں تو طلعت مجھ سے دور رہے، دانہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ مر گئی تو وہ ضرور میری لاش پر آئیگا۔ موت ایسی ہو کہ طلعت کی زندگی پر اثر نہ پڑے، کنوئیں میں گر پڑوں۔ مگر نہیں، لاش نکلے گی۔ ممکن ہے کہ مرض متعدی اس وقت رنگ لائے ہاں ہاں فراط طلعت کے بدلے مجھکو آغوش میں لیگا۔ لہریں مجھکو کنار میں لیں گی۔ اور اس طرح عمر گذشتہ کا ارمان پورا ہوگا۔ وہ وقت آنکھوں کے سامنے ہے جب میں اور طلعت شب ماہ میں دریا کی سیر کشتی میں کر رہے تھے۔ طلعت کا ہاتھ پانی میں پڑا تھا آج یہی دریا میری پردہ پوشی کریگا۔ یہ پانی طلعت کے ہاتھ سے مس ہوا، اس پر میرا حق ہے مگر اس واقعہ کی اطلاع دیدوں۔ حبیب اور محبوب کا کل نکاح ہے نہیں یہ

بیمار ہوں مرض متعدی ہے اندیشہ ہے کہ تم کو نہ لگ جائے۔ مدتوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے اور ایک بھی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میں اپنے محبوب طلعت پر قربان ہوتی ہوں۔ زیادہ رنج کی بات نہیں صبر کرنا۔ اور خوش رہنا۔

دوپہر کا سنسان وقت تھا۔ زیتون کے درخت سرسبز کونپلوں کو آغوش میں لیے جھوم رہے تھے، کہ دریائے دجلہ نے منیرہ کو آغوش میں لے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

یہ دوسری روح بھی مرقان نے ہاتھ میں لی اور عالم بالا میں پہنچا۔ دونو روحیں پیش کیں۔ داروغہ نے دونو روحیں دیکھیں اور کہا بیشک مرقان یہ روحیں اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے اچھی ہیں مگر ان سے بہتر روحوں کا وجود بھی ہے۔ جا اور تلاش کر۔

(۹)

رفعت پیاری! تمہارے حسن و جمال میں خدا ترقی دے۔ میں ابھی زندہ ہوں مگر موت کا متمنی، موجود ہوں لیکن ناپید ہونے کا خواستگار۔ تم نازنین ہو۔ نازنین رفعت دعا کرو کہ خدا بدنصیب نثار کو اس دنیا سے اٹھا لے۔ سنا ہے تمہاری شادی کی تاریخ ٹھہر گئی۔ خدا مبارک کرے اور وہ وقت جلد آئے کہ رفعت دلہن بنکر پالکی میں بیٹھی پھولوں میں بسی زیوروں میں لدی اپنے دولہا کے گھر جائے۔ میں تمہاری عنایتوں کا احسانمند ہوں۔ تم نے مجھ جیسے ذرہ بے مقدار کو اپنے پہلو میں جگہ دیکر گڈڑی کو کمخواب بنا دیا۔ تمہارا شکریہ کس منہ سے ادا کروں تم نے دیکھا کہ آج انسانی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ میں تمہارا غلام ہوں، تمہارے نوکروں تمہارے ملازموں کے بھی لائق نہیں، مگر تم نے اپنی شرافت سے اپنی انسانیت سے لطف رحم سے اپنے کرم سے میرے ہاتھ پکڑنے کی لالچ رکھی اور

دکھا دیا کہ جہان نواز بیگمیں ایسی ہوتی ہیں لیکن تم جانتی ہو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک روح تمہارے حسن پر سے قربان کر چکا اور گو آج اس کی ہڈیاں بھی گلکر خاک ہو گئیں مگر اس کی مکروہ صورت اس کی بھونڈی باتیں اب بھی جب یاد آتی ہیں تو نفرت ہو جاتی ہے اب میں صرف تمہارا بندہ ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔ نہ کسی بیوی کا شوہر ہوں نہ کسی ذی روح کا مالک۔ اگر خدا مجھکو اس قابل رکھتا تو تم دیکھتیں، اور یہ تمہارا غلام دکھا دیتا کہ منزل عشق میں ثابت قدم رہنے والے عشاق اور کسی کے احسان کا اعتراف کرنے والے ممنون کس طرح اپنی عزیز سے عزیز شے محسن پر قربان کر دیتے ہیں۔ اب میرے پاس ہائے پیاری رفعت میرے جان و مال کی مالک میرے دین و ایمان کی مالک رفعت کچھ نہیں۔ ہاں صرف یہ ایک جان موجود ہے۔ دولہا تمہاری پالکی پر زر و جواہر کے ڈھیر اور اشرفیاں نچھاور کریگا مگر تمہارا سچا غلام نثار تمہاری پالکی پر اپنی جان نثار کرتا ہے اس کی روح تمہاری پالکی کے پاس اور کہاروں کے ہر قدم کے ساتھ ہوگی۔ رفعت پیاری پچھلے احسانوں کا معاوضہ آجتک کی محبت کا بدلہ بدنصیب نثار کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، تمہارے جہیز میں ہزاروں لاکھوں کا زیور ہیرے جواہرات، سونا، چاندی تمہارے چڑھاوے میں۔ ایک چھوڑ چار چار یا پانچ پانچ محلات بیسیوں گاؤں بیسیوں مکان موجود ہیں مگر مجھے تمہاری پچھلی محبت اور دیرینہ عنایات سے امید ہے کہ تم اس کمبخت اور غریب بدنصیب کا یہ ہدیہ بھی قبول کروگی جس کا مقصد زندگی صرف تم کو عمر بھر سجدے کرنا تھا۔ تمہارے ہیرے کے کنگن جو شادی کے بعد اب عمر بھر تمہارے ساتھ رہینگے، تمہاری جڑاؤ بالا خواب ہمیشہ کو تمہارے گلے کا ہار ہوگی تمہارے کانوں کی لگر مرکیاں جو مدتوں تم سے سرگوشیاں کرینگی وہ یاقوتی جھومر جو تمہارے سیاہ بالوں کا طراز ہوگا سب تیرے ہاتھوں میں کھیلے ہیں اور اس وقت میرے دل پر ضرب

پر چکے لگا رہی ہیں۔ ہیں اب تم سے اور ہر اس چیز سے جو تمہاری ملکیت ہے مدت العمر کو جدا ہوتا ہوں۔ رفعت دیکھنا کیسا نازک وقت ہے اور غور کرنا کہ نثار پر جو محض تمہاری صورت کا دیوانہ تھا یہ سننے کے بعد کہ اب وہ موہنی مورت دوسرے کی ملکیت ہوتی ہے کیا گزر گئی۔ مگر

لازم ہے سوز عشق میں ظاہر فغاں نہ ہو　　جل جایئے اسطرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

پیاری رفعت! اپنے عاشق مہجور بیکس و بے بس نثار کا یہ تحفہ قبول کرنا۔ خدا تم کو خوش رکھے اور دنیا اور دنیا کے مشاغل چند روز بعد تمہاری حالت درست کر دیں گے مگر رفعت پیاری جب تک زندہ ہوں اس نثار کو نہ بھولنا۔ جو تم پر سے قربان ہو گیا اس خوشی میں جو فانی دنیا تم کو عطا کرے۔ اور خدا رات دن نت نئی خوشیاں نصیب کرے۔ دن عید اور رات شب برات ہوں۔ مجھ جاں نثار کے خیال کو شریک کر لینا۔ کیا کوئی انسان کسی انسان پر اس قدر سخت ظلم کرنے کے بعد جو تمہارے باپ نے مجھ پر کیے انسان ہونے کا مدعی ہو سکتا ہے مگر نہیں نہیں۔

پیارا ہے، پیاری کا پیارا

وہ تمہارے محترم باپ اور میرے بزرگ ہیں۔ جو کچھ کیا خوب کیا اُن سے کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔

گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

کیوں رفعت! کیا میری آنکھیں اس وقت سے پہلے ابدی نیند نہ سو جائیں گی اور میرے کان اس لمحہ سے پہلے ہمیشہ کو بیکار نہ ہو جائیں گے؟ جبکہ میں دیکھوں یا سنوں کہ میری محبوبہ دوسرے کی ملکیت ہو گئی۔ رفعت پیاری میں اُن بے غیرت محبت کے جھوٹے مدعی۔ بھولی عورتوں کو بہکانے والے مردوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے بعد بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ جی گھبراتا ہے کلیجہ نکل رہا ہے! بس رفعت خدا حافظ فی امان اللہ　　"بدنصیب نثار"

پیارے نثار، خیالات کو بلند، دل کو ہشیار اور طبیعت کو مطمئن کرو، کیسی شادی کس کا بیاہ، کہاں کا نکاح۔ دیکھو جو کچھ ہوا اور ہونے دو جو کچھ ہو رہا ہے باپ مختار اور مستحق سہی مگر دو نو خدا نہیں ہیں، نکاح سے کیا ہوگا اور وداع کیا کریگی۔ ایک عارضی ڈھکوسلا ہے ہو جائے اور اماں باوا کا ارمان ہے شوق سے پورا ہو، اظہر میرا بھائی ہے اور بھائی رہیگا، رفعت کا مالک نہیں ہو سکتا۔ رفعت نثار کی ہے اور رہیگی۔ دنیا اِدہر کی اُدہر ہو جائے، آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے تارے دن کو نظر آئیں اور آفتاب رات کو۔ مگر رفعت جو دل نثار کو دے چکی ہے۔ وہ اب دوسرے کے قبضہ میں نہیں جا سکتا، تمہاری زندگی سے میری زندگی اور تمہارے دم سے میرا دم ہے۔ اگر جاتے ہو تو مجھ کو ساتھ لو یہاں اطمینان نصیب نہ ہوا تو عالم بالا میں کوئی مارج نہ ہوگا۔ میں اسی وقت تک زندہ ہوں جب تک تم موجود ہو۔ جب تم نہ ہوئے تو میری زندگی فضول اور جینا بیکار۔ شادی کی سیر دیکھو اور اس نکاح کا لطف اٹھاؤ۔ یہ شادی خانہ آبادی نہیں ایک گھر کی بربادی ہوگی اور یہ نکاح ایک شخص کی محبت آمیز نگاہوں کو ابدی نیند سلا دیگا پیارے نثار کس کی ہستی ہے کہ رفعت پر محبت بھری نظریں نثار کے سوا ڈالے میں عورت ہوں مگر اس آنے والی مصیبت میں استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اپنے ارادے پر ثابت قدم اپنے خیال کی پکی اور اپنی دہن میں مست ہوں گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، میں بھی تماشہ دیکھ رہی ہوں اور اس بدنصیب اظہر کی بدقسمتی پر افسوس کرتی ہوں جس نے جان سے ہاتھ دہو کر یہ سودا مول لیا۔ موت اس کے سر پر سوار ہے اور یہ خبط اس کو گہری نیند سلا دیگا مرد ہو کر اتنے بیحواس اور سمجھدار ہو کر اتنے بودے، واہ میاں نثار واہ ایسی بڑ لگی کہ پچھلے احسان تک بات پر گئے اور جو کچھ باقی رہ گئے ہوں وہ بھی گنوا لو۔ تمہاری بیوی میں تو

اپنی موت سے، جل جو گئی تھیں، صورت شکل خاک نہ تھی۔ تیہا ہی تیہا تھا، جل جل کر اور پٹ پٹ کر چلدیں، میں نے ان کے کچو کے نہیں دیے، تم نے اُن کو زہر نہیں دیا۔ ان کی موت کا احسان مجھپر کیوں اور بدصورتی کا ذکر مجھ سے کیسا۔ ہاں میں تم کو دکھاؤنگی کہ زبان کی لاج اور اقرار کا پاس کیسا ہوتا ہے۔ میں محبت کی مدعی ہوں زبردست قربانی کروں گی اور وہ قربانی کہ دنیا واہ واہ اور عاقبت عش عش کرے۔ میں* اُن بیوقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو خودکشی کرتی ہیں۔ نہ تم جیسے اُن بزدل مردوں میں سے۔ جو مرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ مرے ہماری جوتی اور ڈرے ہمارا صدقہ جان جائے تو اُن کی جن کی خواہش غلط جنکی درخواست بے جا اور جنکا خیال کچا۔ نثار میاں دنیا کلجگ نہیں کرجگ ہے، اظہر ملعون اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نثار کی ہو چکی، اگلے برس جاڑوں میں جب یہ چرچا ہوا ہے تمہارا پرچہ اور میرے شامی کباب پکڑے گئے تو ایک دو نہیں، سارے محلہ اور کنبہ میں ڈنکہ بج گیا بھیڑ کی لات گھٹنوں تک، بہتیروں نے لعن طعن کی۔ مگر ان ہی میں ایمان کی بولنے والے اور انصاف کی کہنے والیاں بھی تھیں بیسیوں زبان نہیں تو کیا، کان تو موجود ہیں۔ بول نہ سکتی تھی مگر سنتی تھی، خالہ کریگا اور اُن کے چچا سید نے صاف کہدیا تھا کہ جوان بیٹی کو بٹھا کر گھر میں کوار کوٹ پٹنا تو یہی رنگ لائے گا۔ میری تمہاری محبت چوری چھپے نہیں۔ ڈھکی ڈھکائی نہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اور اس کمبخت اظہر کو سب سے زیادہ معلوم ہے۔ رقعے، پرچے، خط، تیرکون سی چیز ہے جس کی اُسے خبر نہیں۔ ناگپور کے سنترے اس نے کھائے۔ متھرا کی مچھلی اس نے چکھی۔ اپیا نہا نہیں، اندھا نہیں۔ اب جو دیا وہ پائے اور جو کیا وہ بھگتے۔

نا رضامندی کی شادی گڑیوں کا کھیل ہنسی ٹھٹھا نہیں۔ میں اپنا فرض

ادا کر چکی اور ایک دو دفعہ نہیں دس دفعہ، بہنوں سے میں نے کہا، بھاوجوں کو میں نے
جتا دیا، حد یہ ہے کہ اماں جان تک سے کئی دفعہ باتوں باتوں میں اور دو دفعہ صاف صاف
کہہ چکی ہوں۔ اب تم بتاؤ ابا جان سے تو کہنے سے رہی، مگر اماں جان۔ خدا ان سے
سمجھے، وہ کانوں میں روئی ٹھونس کے بیٹھی ہیں کہ خبر نہیں وہ بھی مجبور ہیں۔ ہونی
شدنی تقدیر کا لکھا کس سے ٹلا ہے جو اظہر کا ٹلے گا۔ نثار اللہ کی شان ہے
اظہر اور رفعت کا شوہر۔ توبہ توبہ.......... میں دنیا میں
خوار ہوں گی، نہ خدا کی گنہگار، اپنا فرض ادا کر چکی۔ اب ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار
ہے۔ رفعت قند نہیں کہ کوئی گھول کر پی جائے۔ حلوا نہیں کہ لپ لپ کھا جائے۔
ایسڈ بڑے بھائی جان کی تصویروں کی پوری بوتل، زہر قاتل میرے
قبضہ میں ہے اور یہ ہر اس آنکھ کو جو نثار کے سوا رفعت کے حسن پر پڑے ختم۔
اور ہر اس ہاتھ کو جو نثار کے سوا رفعت کو چھوئے موت کا مزا چکھا دے گی۔

اس پرچے کے پہنچتے ہی اپنی خیریت سے مطلع کرو۔

صرف نثار کی ''رفعت''

(۱۰)

شاہجہان آباد کے اس محلہ میں جو کسی وقت میں پنجابی کٹڑے کے نام سے مشہور تھا
اور اب ہیملٹن روڈ کہلاتا ہے۔ سردار نصرت علی خان تعلقہ دار اورنگ نگر کی کوٹھی میں
امراء اور رؤسا زرق برق پوشاکوں میں جلوہ گر ہیں۔ زنانخانہ میں چوٹی کی بیگمیں اور
چنندہ بیبیاں موجود۔ بچوں کی چہل پہل نوکروں کا غل غپاڑا۔ کان پڑی آواز
سنائی نہیں دیتی۔ برات کا انتظار ہے۔ سردار نصرت علی خاں مہمانوں کے
استقبال کے واسطے خود دروازہ پر کھڑے ہیں۔ برات کے آتے ہی محلہ بھر گونج
اٹھا دولہا کی آبائی عزت اور خاندانی وجاہت لاکھ سردار صاحب کی ٹکر کی نہ ہو مگر پھر بھی گو بگڑ چکا تھا

لیکن اظہر کا باپ نواب نسیم اللہ خاں پوتڑوں کا رئیس تھا۔ آدمے سے زیادہ تعلقہ دار
برات کے ساتھ تھے۔ خاطر مدارات ہی میں دو گھنٹے سے زیادہ گزر گئے۔ نکاح کا
وقت قریب آیا تو سرور صاحب کی ماں نے انہیں بلایا اور کہا میں تمہاری بچی کے
معاملہ میں آجتک نہیں بولی، ماشاءاللہ تم خود عقلمند اور دنیا کے سمجھنے والے ہو، مگر
کئی دفعہ ہوئے اور ایک دو دفعہ تم سے بھی کہہ چکی تھی کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے
والی نہیں۔ بہتیرا ہی تم کو شروع میں سمجھایا کہ دیکھو نصرت لڑکی ہاتھ سے نکلی جا
رہی ہے۔ خدا کے لیے ان سوں اور میموں کا آنا بند کرو۔ مگر تم کو کچھ گھر سے
کی چڑ ہی ہوئی تھی، کیا خاک سمجھتے، نتیجہ یہ ہوا کہ دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی
اب نکاح کا وقت آگیا۔ شاباش اس ماں کو جو کانوں میں تیل ڈالکر بیٹھ گئی۔
اور صدا آفریں تجھ باپ کو کہ پلٹ کر پوچھا تک نہیں کہ لڑکی کا اشارہ کیا ہے۔ اب
سنا ہے کہ چوتھی کا جوڑا اس نے پھاڑ کر بتی بتی کر دیا۔ اور ساڑھے تین ہزار کا جوتی
مال مصالحہ کوڑیوں کے دام غارت ہوگا۔ اب ابا اور خالہ دونوں کی دونوں ہاتھ پیر جوڑ رہی
ہیں مگر لڑکی ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ بیٹا آجتک جو نہ ہوا تھا وہ اب ہوگا
یہ ہزاروں امیر رئیس احمد پور والے شیخ جنہوں نے عمر بھر ناکیں رگڑیں کہ ہماری
ایک لڑکی کی پالکی اپنے دروازہ پر اتروالیں، مگر اپنا سا منہ لیکر چپ ہو گئے اور تمہارے
دادا اللہ بخشے وہ شخص جنکی تلوار سے خون ٹپکتا تھا مرتے مر گئے مگر احمد پور
والوں کو بیٹی نہ دی۔ اب آج ان کے سامنے ساری عزت آبرو پر پانی پھر گیا
جاؤ دیکھو بیٹی کی کیا حالت ہے اور وہ کیا کہہ رہی ہے۔

نصرت علی خاں میں دیکھ کر کیا کروں گا۔ ڈرا ہوں کی تو وہ ٹکڑے
کر ڈالوں گا، آپ خود جائیے اور اس کو سمجھا دیجئے اگر اس وقت میری بات میں
فرق آگیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ رفعت پالکی میں ہوگی یا اس کا جنازہ

چبوترے پر۔

(۱۱)

لیکن دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز رفعت آرا بیگم اگر تم انکار کر دیتیں تو کیا یہ ممکن تھا کہ والدین بالجبر تمہارا نکاح کر دیتے، درحقیقت تمہارا ہی احسان ہے کہ تم نے مجھ جیسے شخص کو جو تمہاری پاپوش کے بھی قابل نہیں یہ فخر عطا فرمایا۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب اس وقت کوئی متنفس نہیں۔ بادشاہ اپنی سلطنت پر وہ ناز نہیں کر سکتا جو میں تم جیسی بیگم پر کر سکتا ہوں۔ تم نے مردہ کو زندہ کیا اور وہ شخص جو دم توڑ رہا تھا اپنی مسیحائی سے اس میں جان ڈال دی۔

رفعت شریفوں کی بیٹیاں والدین کے سامنے کوئی رائے دینے کی مجاز نہیں وہ صرف حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ مناسب سمجھا وہ کیا میرا کام یہی ہے کہ وہ کہیں اور میں کروں، آج سے میں بجائے ان کے تمہاری فرمانبردار ہوں۔ کیونکہ انہوں نے تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا۔

اظہر اوہ۔ اوہ۔ بیگم کیا کہہ رہی ہو، تم فرمانبردار۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں خدا کے واسطے مجھ کو شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہارا غلام، تمہارے غلاموں کا غلام للہ تھوڑا سا دودھ پی لو۔

رفعت - خیر میں پی لیتی ہوں، مگر تم اپنے واسطے بھی تو لے آؤ، تم پیو گے تو میں بھی پی لوں گی۔

اظہر اچھا۔ میں اور لاتا ہوں، اور تمہارے سامنے پی لوں گا۔

اظہر دودھ لینے گیا، تو رفعت نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور دودھ میں ڈالکر خاموش بیٹھ گئی، دودھ آ گیا۔ اور اظہر نے پھر درخواست کی۔ مگر جب رفعت نے کوئی جواب نہیں دیا تو دودھ رکھکر اس طرح کہنے لگا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دودھ تمہارے قابل نہیں لیکن مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ تم اس میں دو گھونٹ پی لو۔

رفعت کچھ دیر خاموش رہی۔ یہ کہکر کہ اچھا۔ اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو خیر پہلے تم پیو۔ تازہ دودھ ہاتھ میں لیکر بیٹھ گئی۔ اظہر نے پہلے کا دودھ پینا شروع کیا تو اس نے بھی آبخورہ منہ سے لگا لیا۔ اور جب تک وہ دو ایک گھونٹ پیئے اظہر تمام دودھ ختم کرچکا۔ ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ چکر آیا اور گر پڑا۔

بیگم نہ معلوم دودھ میں کیا چیز تھی۔ کلیجہ کٹا جا رہا ہے۔

رفعت اے ہے، نوج خدا نہ کرے، کیا کہہ رہے ہو۔

اظہر ہائے کیا کروں کسی کو بلاؤ کہ ڈاکٹر کو لائے! اماجان کو جلد اطلاع دو۔

رفعت ایسے بدحواس نہو، دن بھر کے تھکے ہوئے ہو، گرمی کا موسم ہے۔ سر چکرا گیا ہوگا۔ ٹھیرو۔ میں پنکھا جھلتی ہوں اے اللہ مجھپر رحم کیجیو، میں تو پہلے ہی بدنام ہوں۔ اے پاک بے نیاز میری آبرو تیرے ہاتھ ہے۔

اظہر۔ ہائے مر گیا۔ انتڑیاں سب کٹ گئیں ہائے۔۔۔۔۔ ہائے ہائے۔۔۔۔ ہائے کسی حکیم یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رفعت (روکر) اچھی ذرا تو ہوش میں آؤ اے مولا ان کا بال بیکا نہو آنکی آئی مجکو آجائے، اے اللہ میری شرم تیرے ہاتھ ہے۔ خدا کے لیے منہ سے تو بولو کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی۔ ہائے مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ دیکھیے یہ دشمن کیا غضب کرتے ہیں اے اللہ ہماری طرف دیکھ لے۔ اللہ کا واسطہ آنکھ تو کھولو قے ہوئی اور جگر کے ٹکڑے کے ٹکڑے خون میں لت پت نکل پڑے غریب تڑپتا رہا اور آہستہ آہستہ کہتا رہا۔ اماجان کو بلاؤ۔ مگر ظالم نے اس وقت تک نہ بلایا جب تک بدنصیب اظہر کی زبان بند نہ ہوگئی اب صرف اسکی آنکھیں کھلی تھیں تڑپنا

تڑپ کر کروٹیں بدل رہا تھا، اور آہ نہ کر سکتا تھا۔ تنے کی آواز سنکر ماں دوڑی ہوئی آئی، دیکھا تو دولہا بیہوش پڑا چند ساعت کا مہمان ہے، اور دلہن سرھانے بیٹھی پنکھا جھلتی دہاروں رو رہی ہے۔
لوگ ڈاکٹر اور حکیم کو دوڑے۔ مگر کوئی بھی نہ آنے پایا کہ بلا رضامندی کی شادی کا شوہر آغوش عروس کی بجائے دلہن قبر میں جا پہنچا۔
مرقان یہ روح لیکر عالم بالا کو گئے، مگر داروغہ نے یہ کہکر جھڑک دیا، انسانی دنیا کا معمولی شعبدہ اس میں کیا رکھا ہے۔ اس سے نمایاں تو اس عورت ہی کی روح ہوگی۔ جس نے اس روح کو جسد خاکی سے جدا کیا، جاؤ۔ جاؤ۔ ہٹ جاؤ۔

(۱۴)

آج آٹھ برس ہونے آئے، میرے پاؤں شل اور میرے پیر چور ہو گئے میں آسمانی دنیا میں بھوک پیاس آرام تکلیف سب سے محفوظ تھا، ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی ہندوستان سے لیکر سمندر پار تک پھر آیا۔ مگر ہر کوشش بے سود ہے اب صرف اس عورت کی روح کی فکر میں ہوں، جس کو داروغہ نے نمایاں بتایا ہے۔ مگر وہ بھی کٹی موٹی تازی مزے سے جی رہی ہے۔ اگر تم اس کی روح قبض کرلو تو بہت بڑا احسان ہو۔
ملک الموت تو بھی جب بولے گا، بونگی۔ ارے بھائی خواہ مخواہ قبض کسی کی روح کرلوں۔ اور اللہ میاں کے یہاں سے کون کہا ئے۔ میں یا تو۔
مرقان۔ بھائی یہ کہو پھر بھی حاضر ہے۔ ایک کے بدلے بیس مارلو، مگر اپنے یار ہو گے تو اس کی روح قبض کرلوگے۔
ملک الموت دیوانہ ہوا ہے، یہ میرے بس کا روگ نہیں، تو ایک کام کر سنکھیا لیکر اس کو کسی چیز میں کھلا دے۔ روح میں قبض کرلوں گا۔

(۱۳)

رفعت جہاں تمہاری شادی کو ہفتہ بھر سے زیادہ ہو چکا، آج دسویں روز تم لکھتی ہو، اظہر مر گیا۔ میری طرف سے وہ مرا تو اور زندہ ہی تو میرے بھا دیتی تھی وہ اور تم دونوں ہی مر گئے، تم اب میرے کس مطلب کی اور میرا اب تم سے واسطہ کیا۔ تم نے اپنی طرف سے تو یقین دلانے میں کسر نہیں کی اور اس کو اب تک بھائی لکھ رہی ہو مگر بات وہ کہو جو عقل میں آ جائے میں ایسا بے وقوف نہیں کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکوں۔ بہرحال ان دنوں میں جو گزرنی تھی گزر گئی اور میری تقدیر کا جو صدمہ تھا وہ ہو چکا۔ اب مجھے تسکین ہے میں اپنے خیال میں تو تمہارے پھولوں سے بھی فارغ ہو گیا۔ اب تمہارا خیال بھی میرے لیے باعث تکلیف ہے۔ اس کے بعد مجھکو خط نہ بھیجنا اور آیندہ میرا خیال بھی نہ کرنا، تمہاری ہی مصیبت کی وجہ سے میں شہر چھوڑ پردیس جا رہا ہوں کہ تم اپنی بے رحمی سے میرا پیچھا نہ چھوڑو گی اور جب تم نے اظہر جیسے شوہر کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میں کیا توقع کر سکتا ہوں۔ "نثار"

(۱۴)

جوتے والے کی دکان پر شام کے وقت بیسیوں آدمی بوٹ نمونہ گرگابی۔ پمپ یہ وہ بیس قسم کا سامان دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا۔ آپکے ہاں سنکھیا ہے؟

جوتے والا کیا چیز جناب!

مرزا قان "سنکھیا"

جوتے والا منوں! کتنی لیجیے گا۔

مرزا قان۔ ایک روپے کے قابل۔

جوتے والا۔ تشریف رکھیے پھر سے ولے ادھر آئیو۔ دیکھ آپ کیا مانگ رہے ہیں

کانسٹیبل کیا چاہیئے تم کو؟
مرقان "سنکھیا"
جوتے والا۔ فرماتے ہیں فقط ایک آدمی کے لائق۔
کانسٹبل۔ کیوں صاحب!
مرقان۔ ہاں بس ایک روح کی!
کانسٹبل نے ہاتھ تھاما۔ اور کوتوالی میں جا کر پیش کیا۔ تھانہ دار موجود نہ تھے محرر نے لکھا پڑھی کر کے حوالات میں داخل کیا۔
مرقان۔ بھائی یہ کیا کرتے ہو۔ اس میں کیا ہے۔
کانسٹبل ابے اندر چل نہیں ایک لات دیتا ہوں۔
مرقان اس کی صورت دیکھ رہے تھے کہ کانسٹبل نے ایک لات رسید ہی کر دی۔ اور کہا چل اندر لبے دوسروں کی روح کی فکر میں ہے۔ پہلے تیری روح قبض ہوگی۔
مرقان آپ نیوی ملک الموت ہیں۔
کانسٹبل (قفل لگا کر) اب دیکھ لیجیو
مرقان ایک جگہ مصیبت آئی تو یہ نتیجہ ہوا، یہاں دیکھیئے کیا ہوتا ہے، مگر سنکھیا کا کسی دوکاندار سے پوچھنا یا مول لینا کیا نافرمانی ہے۔ واہ چچا ملک الموت اچھا مروایا۔
تھانہ دار نے آتے ہی آسامی کو باہر نکلوایا۔ اور پوچھا کیا نام ہے بے تیرا مرقان خاموش تھے کہ کیا نام بتائیں۔ مرقان کو صرف چند روحوں کی پرواز سے معاملہ پڑا تھا، اور صرف بیماریوں کے نام جانتے تھے، کہنے لگے میرا نام "بخار" تھانہ دار بخار! تو بغیر پٹے باز نہ آئے گا، ٹھیک نام بتا۔ دفعدار ذرا اس سے

نام تو پوچھو۔

دفعدار نے میاں مرقان کے ایک تو تھپڑ دیا اور دو گھونسے ۔ پھر پوچھا بتا کیا اصلی نام ہے۔

مرقان .... کھانسی لکھ لیجئے۔

اب تو تھانہ دار کو بھی غصہ آگیا۔ اور مارے ہنٹروں کے مرقان کی کھال اُڑا دی

مرقان اوہ! آہ! ہے، ہو، میرا نام سنکھیا، اتھہر، دوزخ۔ آدمی

تھانہ دار تھک گیا، اور پھر حوالات کر دیا۔

ملک الموت اپنے دوست کو چاروں طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے یہاں آکر دیکھتے ہیں تو مرقان حوالات میں بیٹھے ہنٹر کی بدھیاں دیکھ رہے ہیں زور سے ایک قہقہہ مارا اور کہا۔

پیارے مرقان یہاں اٹے ہوئے ہو

مرقان - واہ بھائی اچھا پٹوایا۔

ملک الموت اچھا تو باہر آؤ۔ اور آئندہ سے کسی روح کی خواہش قبل از وقت نہ کرنا۔

(۱۵)

رفعت بیوہ ہونے کے بعد چھ سات سال تک ماں باپ کے ہاں مزے سے رہی، نثار کی بیوفائی کا خیال رفتہ رفتہ دل سے زائل ہو گیا، امیر کی بچی تھی روپے نے اس کے عیب سب ڈھانک لیے اور ایک متمول رئیس سے شادی ہو گئی، پندرہ بیس برس تک نہایت لطف و اطمینان سے زندگی بسر کرتی رہی سات آٹھ بچوں کی ماں بنی، بہوئیں آئیں داماد آئے، اور آخر کار بڑھاپا اور بڑھاپے کے ساتھ موت کا وقت بھی آن پہنچا۔ اب البتہ اس کو اپنے فعل پر ندامت تھی اور اسکا

دل اس پر ملامت کرتا تھا رات دن اسی ادھیڑ بن میں غرقاب رہتی تھی، شوہر ہوتیں نیچے داماد سب بھوپالی کرتے مگر اس اندر کا جاننے والا، وہ اس کے اپنے دل کے کوئی نہ تھا، ایک تکلیف تھی جو کسی کروٹ چین نہ دیتی تھی۔ ایک مصیبت تھی جس سے کوئی لمحہ چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ موت کا خیال آتے ہی تھرا اٹھتی اور جانتی تھی کہ اب ہاں چلنا ہے۔ جہاں کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا جو رخسار پھول کی طرح تر و تازہ تھے۔ آج وہ جھریوں کا ڈھیر ہیں، اور جو آنکھیں بجلیاں گراتی تھیں اب اُن سے ہر وقت گنگا جمنا بہہ رہی ہیں۔

وہ بوٹا سا قد جتنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا

خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گیا لیشت دو تا باقی

گنتی کے چند سانس جو باقی رہ گئے ہیں پورے کر لوں اس کے بعد ابدالآباد تک آخرت ہوگا۔ اور میں ہوں گی۔

رونا بے کار اور ندامت بے سود تھی۔ یہ دن بھی گزر گئے اور پرواز روح کا وقت بھی آن پہنچا۔ ڈر بیٹھا ہوا تھا ہیبت طاری تھی۔ سکرات شروع ہوئی دم کسی طرح نہ نکلتا تھا تین دن تین رات اسی حالت میں پڑی رہی، اور پر والے بھی بیزار ہوگئے۔ خدا خدا کر کے روح نکلی، تو مرقان خوشی خوشی لے داروغہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

داروغہ اس مظلوم شوہر کی روح سے یہ ظالم کچھ سے تو نہیں کہ اس کے اعمال میں کوئی بات ملتی ہے مگر نہ ایسی کہ تیرا بیڑا پار ہو جائے۔

(۱۶)

جب قیصر کا وہ حسن جس کا سکہ کنبہ بھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈھلنا شروع ہوا تو احمد حسین کی محبت شہر بھر میں مشہور تھی۔ طوطے کی طرح دیدے بدلنے لگا

دو چار دن کی آئی لگائی نہ تھی نو برس کی گھر تین برتن بیاہی تہائی، پانچ بچوں کی ماں
مگر تقدیر کی خبر نہ تھی کہ بڑھاپے میں یوں مٹی پلید ہوگی، سچ یہ ہے کہ اس کا انقلاب محسن
عبرت خیز تھا یا نہ تھا مگر تعجب انگیز ضرور تھا۔ کم بخت اٹھائیسویں سال بڑھیا ہوگئی
نزلہ کی مریضن تھی۔ دانتوں نے جڑیں چھوڑ دیں۔ سر دیکھو تو لٹیں کی لٹیں سفید
بھک اس پر پانچ بچوں کی پرورش ایک گود میں ایک پیٹ میں ایک سینہ پر،
ایک ٹانگوں پر، غرض وہ مثل اصل ہوگئی کہ بیسی او کہیں۔ لیکن ساٹھا اور پاٹھا
بھی غلط نہ نکلا، احمد بڑھاپے میں جوان ہوا، اٹھارہ برس بڑا تھا مگر آنکھیں کچھ
اور ہو موند ہتی تھیں، بیوی کو دیکھا تو وہ اللہ کی بندی آٹھ آٹھ دن کپڑے نہ بدلے
چار چار دن سر نہ گوندھے، بچوں میں غرقاب۔ کسی چیز کا ہوش نہ کسی شے کی خبر شروع
شروع میں احمد نے اپنی طبیعت کا بیوی پر اظہار نہ کیا، مگر نو برس ساتھ رہی تھی
عادتوں سے آشنا مزاج سے باخبر تیور دیکھتے ہی پہچان گئی، مگر پی گئی۔ احمد جس نے
نو برس تک مغرب کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا اب دہڑلے سے بارہ بارہ
اور دو دو بجے رات کو آتا، اور پڑا رہتا۔ گھر اس کو جیل خانہ بچے اس کو زہر اور بیوی
اس کو دشمن معلوم ہوتی۔

قیصر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی نہ کرتی، بچے سو جاتے، انگیٹھی، آگ
اور کھانا لیے بیٹھی رہتی، جب شوہر آجاتا اس کو کھلا دیتی تو خود بھی پیٹ بھر لیتی۔
احمد کی اس بے التفاتی کا خیال دن بھر تو اس کو بچوں کی ریں ریں میں آ ہی
نہ سکتا تھا۔ ہاں رات کو عالم تنہائی میں اکثر سوچتی تھی، اور بالخصوص کھانا کھلاتے
وقت جب سامنے بیٹھتی اس کا منہ تکتی اور وہ بات تک نہ کرتا تو دل ہی دل
میں اتنا ضرور کہتی کہ کیا خدا کی شان ہے۔

قیصر کری پڑی عورت نہ تھی۔ اصل نسل سیدانی۔ راجہ کمال پور کی حقیقی بھانجی

اور کمال پوری سید، الٰہی توبہ، اگر اڑتی سی خبر بھی پاتے تو احمد کی بوٹی بوٹی کر دیتے مگر احمد کی آنکھوں پر تو کچھ ایسی پٹی بندھی تھی کہ بالکل چراغ پاؤں ہی ہو گیا، تاک میں تو عرصے سے ہی تھا، اتفاق کی بات شہر میں ایک قحبہ آئی چاروں طرف جال پھیلایا۔ میاں احمد کو بھی خبر ملی۔ اُن کے پھانسنے کے بھی ڈورے ڈالے۔ جو بندہ یا بندہ ملاقات کا وقت مقرر ہوا اور رات کے نو بجے احمد اس قحبہ کے گھر پہنچے۔

یہ حسینہ جس کا نام بیگم تھا چالیس برس سے کم عمر کی عورت نہ ہوگی۔ رنگ گورا تھا مگر جھریاں پڑی ہوئی، بدن لاکھ کسا ہوا تھا گر ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ سب سے بڑی جیت اس کا اس چیز سے محروم ہونا تھا جو بہو بیٹیوں کو اولاد کی پیدائش اور سلامتی میں برباد کر دیتا ہے۔

احمد پہنچے تو شستہ پردہ میں بیٹھی، مگر اس طرح کہ گورے رنگ کی جھلک احمد کی اندھی آنکھوں کو لوٹ پوٹ کر گئی۔

بیگم کے ماموں۔ نواب صاحب تقدیر کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ بیگم جس کے دروازے پر دس دس گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ آج اس لائق ہے کہ آپ غیر مرد ہو کر اس سے بات کر رہے ہیں، اور کر رہ دیکھئے خدا کیا دکھاتا ہے۔ میں اس وقت کے واسطے ہی زندہ رہ گیا تھا، ہم کابلی مغل ہیں۔ ہماری بیٹیاں آج تک بیدروں میں نہ گئیں، اور فقط یہ ہی ایک ضد تھی۔ ورنہ ڈیڑھ لاکھ کا مہر نقد کمال پور والے باندھ رہے تھے۔

احمد ماموں صاحب! آپ کچھ خیال نہ فرمائیے، دل کو تسکین دیجئے اللہ مالک ہے۔ میں کسی قابل نہیں ہوں، چار سو روپے ماہوار کی جائداد ہے یہ حاضر ہے

ماموں۔ ہاں جناب سچ ہے۔ دو ڈھائی ہزار پر نہ تھوکا اب جو کچھ ہونا ہے وہ ہو گا۔ ہم تو یہاں اس لیے ٹھہر گئے تھے کہ ابراہیم علی شاہ کے مزار کی

زیارت کرلیں۔ کل چلے جائیں گے۔ احمد کو تاب کہاں تھی۔ منت کی خوشامد کی۔ ہاتھ جوڑے اور بیگم پچیس ہزار مہر پر احمد کے نکاح میں آکر اس محلسرا میں جو قیصر کے جہیز میں ملی تھی داخل ہوگئیں۔

معصوم بچے اس قابل تھے کہ بدنصیب ماں کو اس صدمہ میں کچھ مدد دیتے کھانے کا انتظام بیگم کے سپرد ہوا، اور یہ چار سو روپے کی آمدنی جو قیصر کی ذاتی جائداد کی تھی۔ بیگم کے ہاتھ میں جانے لگی، اگر لونڈیوں، ماماؤں کی طرح بھی بیگم ہاتھ اٹھا کر دیدیتی۔ تو قیصر شریف بیٹی تھی صبر کرتی اور لے لیتی۔ مگر اس کم بخت نے تو یہ غضب کیا کہ قیصر کی جانی دشمن ہوگئی۔ اور بچوں کے خون کی پیاسی۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ احمد کے آنے سے پہلے سنگدل کلیجہ کے درد کا بہانہ کرکے پلنگ پر لیٹ رہی۔ احمد نے آکر دیکھا، تو بے تاب ہوگیا۔ بہتیرا پوچھتا ہے مگر مکار خاک کچھ نہیں کہتی۔ بڑی مشکل سے کہا۔

اللہ کے نام کی برکت خالی نہیں جاتی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ماموں جان میری جان کے دشمن ہیں اور مصیبت میں پھنسا رہی ہیں، ہر وقت کے تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے دیکھ لو۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے۔ اگر میں بچ گئی تو اتنا احسان کرنا کہ میکے بھجوا دینا صبح ہی کو دہلیز میں سے کلیجی کی بوٹی پڑی ہوئی ملی ہے۔

رات کے دس بج چکے تھے، احمد غصہ میں باؤلا اور رنج میں پریشان ہو رہا تھا حکم دیا کہ قیصر ابھی اس گھر کو خالی کر صدر والے مکان میں چلی جائے۔

رات آدھی کے قریب آگئی۔ تقاضے سخت ہوئے نو برس کے بچے سے کہا "اپنے ابا سے کہو ڈولی لادیں"۔

احمد اس وقت ڈولی نہیں مل سکتی۔ صدر کچھ دور نہیں ہے۔ بڑے میاں جاکر پہنچا دیں گے۔ تارے قدرت کے اس کھیل پر ہنس ہنس کر غائب ہو رہے

تھے۔ دو بجے کے قریب قیصر برقع اوڑھ، بچوں کو گود میں اور ساتھ لے تین کوس کے فاصلہ پر بھرا گھر چھوڑ چھاڑ روانہ ہو گئی۔

دن صاف نکل گیا، اور رات سر پر آ پہنچی، مگر معصوم اور بدنصیب بیوی کے منہ میں کہیں کا دانہ اُڑ کر نہ گیا۔ مغرب کے وقت قیصر نے اپنا ایک چھلہ جو ماں کی نشانی تھا، بڑے بچہ نصیر کو جس کی عمر سات برس سے زیادہ نہ ہو گی دیا اور کہا اس کو بیچ کر آٹا لے آؤ۔ بچہ لے کر گیا۔ صرافوں کی دکان سے ناواقف تھا۔ چاروں طرف پھرا، مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ملا کہ اس کا کام کر دیتا۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے دیکھتا۔ اور تکتا۔ سونے کا چھلہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ میں پانی بھر آیا۔ روپیہ اس کے ہاتھ پہ دھرا اور چھلا لے چلتا ہوا۔ نصیر کو دیر ہوئی تو ماںتا کی ماری دروازے میں آکر کھڑی ہوئی۔ دل میں ہزاروں وہم آتے تھے کبھی کہتی تھی کوئی پکڑ لے گیا۔ کبھی خیال آتا تھا کہ کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو گا۔ کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا۔ ذراسی آہٹ پر بے تابانہ دوڑتی تھی۔ مگر پھر پلٹ آتی تھی۔ نیا محلہ پہلا روز کس سے پوچھتی اور کیا پوچھتی۔ کلیجے پر گھونسے مارے اور کہا "اے کم بخت بیٹ کیا غضب کروایا۔ کیا کروں کہاں جاؤں پیٹ پکڑے انگنائی میں آئی۔ اوپر دیکھتی اور کہتی۔ اے مولا میں قربان میرا بچہ صحیح سلامت آجائے۔

دس بجے کی توپ چل چکی تھی کہ نصیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ دوڑ کر اس کی بغل میں سے آٹے کی پوٹلی لی اور گود میں اٹھا کر پیار کیا اور گھر میں لائی۔ جلدی جلدی آٹا گوندھا۔ بچے چار پہر کے بھوکے تھے۔ روٹی کھلائی اور اللہ کا شکر کرتی ہوئی سب کو کلیجے سے لگا زمین میں پڑ رہی۔

"اس میں کیا قباحت ہے کہ اب تم مجھکو میرے میکے پہنچا دو۔"

احمد۔ بیگم۔ قیصر اور اس کی تمام اولاد تم پر سے قربان کر دوں۔ تم کیوں ایسی باتیں کرتی ہو۔ تم کو میرے کہنے کا یقین نہیں ہے۔ جو کہو وہ کرکے دکھا دوں۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ سب کے سب کم بخت مر جائیں۔ مگر غارت بھی تو نہیں ہوتے۔ تم کو سب سے زیادہ تکلیف نصیر سے پہنچتی ہے۔ میں اسی کم بخت کو دنیا سے کھو دیتا ہوں۔

اتنا کہکر احمد اٹھا اور سیدھا یہاں پہنچا۔ قیصر میاں کی صورت دیکھتے ہی سہم گئی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ گھر میں پان نہ تھے کہ بنا کر، حقہ نہ تھا کہ بھر کر اس کے سامنے رکھتی، بچے باپ کی صورت دیکھتے ہی لپٹ گئے مدتوں کے ترسے ہوئے تھے عید ہوگئی۔ احمد کے ہاتھ میں حلوا تھا۔ نصیر کو کھلایا اور کچھ دیر بیٹھکر چلنے لگا۔ تو قیصر اٹھکر سامنے آئی اور کہا۔

مجھے تم سے شکایت نہیں۔ قدرت کے قانون یہی ہیں، میری صورت اس قابل نہیں رہی کہ تم کو اپنی طرف مائل کر سکتی۔ مگر اپنی عنایت سے اور کرم سے میری تقصیروں کو معاف کر دو۔

احمد نے اس کا جواب نہ دیا اور چلا گیا۔

رات کے بارہ بجے تھے کہ نصیر گھبرا کر اٹھا، اور کہا اماں جان ہائے کیا کروں میرے کلیجے میں کوئی چھریاں بھوک رہا ہے۔ اٹھا کئی دست آئے۔ خون کی قے ہوئی اور ایک دو ہی گھنٹے میں سات برس کا پلا پلایا بچہ۔ قیصر کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک ڈھنڈار گھر میں جہاں چار بچوں کے سوا آدمی نہ آدم زاد، قیصر ایک سات برس کے پہلوٹھی کے بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔ بچہ بیہوش پڑا ہے آوازیں دیتی ہے چیختی ہے چلاتی ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے لگاتی ہے۔ اور

کہتی ہے اے کم بخت تقدیر کیا دکھاتا ہے۔ میری سات برس کی کمائی، میرا پہلوٹا سا لال، میرے کلیجے کا ٹکڑا، اے مولا میرا نصیر، میرا بچہ، میرا دولہا، میرا چاند، اے مولا، اے مالک، اس سے پہلے مجھکو موت۔ سب سو گئے تو سنتا ہے۔ سب چھوڑ گئے تو دیکھ رہا ہے۔ بے گناہ ہوں۔ بدنصیب کا بچہ اٹھا اور کہا۔

ہائے اماں ابا جان کا حلوا کڑوا تھا۔

سنتے ہی ایک گھونسا سا لگا۔ کہنے لگی ہائے ڈاکٹر کے ہاں کون لے جائے حکیم کو کون دکھائے۔ ہاتھ پاؤں نیلے ہو گئے۔ صدقے ہوں۔ قربان ہوں۔ آہ زندگی کیا دکھا رہی ہے۔ اب بچہ پھر اٹھا مگر اٹھا نہ گیا۔ چند لمحہ سرد ہنا اور تڑپ تڑپ کر رخصت ہوا۔ چہرہ کو غور سے دیکھا اور بچہ کھکر ایک چیخ ماری۔

ہاں میاں نصیر بدنصیباں کا فاقہ بھی تڑوا گئے۔ اور آٹا لا کر روٹی پکوا دی۔

(۱۸)

قاضی۔ آپ فرمایئے آپ کی شہادت یہ ہے کیا واقعی اس بچہ کے قتل کا باعث یہی عورت ہے۔

احمد۔ بیشک یہ بچہ میری دوسری بیوی بیگم کا تھا۔ اس کم بخت قیصر نے جواب شرمیلی بنی چادر سے منہ سر چھپائے کھڑی ہے اس کو زہر دیا۔ ہر وقت اس کو کھلاتی رہتی تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ محبت کرتی ہے، مگر کیا خبر تھی کہ یہ ایسا غضب ڈھائیگی اس نے زہر دیا اور صرف اس لیے کہ سوکن کا بچہ تھا۔

شوہر کی شہادت پر قاضی نے موت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور کاغذات بہ غرض منظوری امیر کی خدمت میں بھیج دیے گئے۔ تاریخ مقررہ پر قیصر امیر کی خدمت میں پیش ہوئی۔

امیر۔ کیا واقعی تو اس بچہ کی قاتل ہے۔

قیصر۔ بیشک ہوں۔ اس لیے کہ میرے شوہر کا بیان ہے۔

امیر۔ تو نے کیوں معصوم کو زہر دیا۔

قیصر۔ اسی لیے، جو میرا شوہر کہتا ہے کہ سوکن کا بچہ تھا۔

امیر۔ کل تجھے پھانسی دیجائے گی۔ کوئی آخری آرزو ہے۔

قیصر۔ گنہگار ہوں خدا کی، اور شوہر کی۔ خدا سے رات بھر التجا کروں گی کہ معاف کردے۔ شوہر سے آپ سفارش کیجئے کہ وہ مجھ سے ناخوش ہے۔ اس آخری وقت میں میرے قصوروں سے درگزر ے۔

امیر۔ تیری صورت پر رحم آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں۔

قیصر۔ میرا شوہر اس سے خوش نہ ہوگا۔ اس لیے میں بھی خوش نہیں ہوں۔

امیر نے اپنے ہاتھ سے مشکیں کھولدیں، اور کہا جا اپنے گھر جا، مجھے سب معلوم ہے۔ قیصر اس رہائی سے زیادہ خوش نہ تھی، گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی حالت قید میں دوسرا بچہ عرفانی دنیا سے اُٹھ گیا۔ اکرامی اور نصرت یہ دو بچے اس گھر میں پڑے پڑے رات کو صبح اور صبح کو شام کردیتے۔ محلہ کے لوگ اُن کی حالت پر رحم کرکے دونو وقت کھانا پہنچا دیتے تھے۔ نصرت پانچویں برس میں تھا اور اکرامی چوتھے برس میں۔ کیسا نازک وقت ہوگا کہ سنگدل باپ ایک شہر کے شہر دنیا کے مزے اُڑا رہا تھا۔ اور یہ دو ننھی سی زندہ مخلوق معصوم جن کی بے گناہ ماں جیل خانہ میں تھی ٹرٹوں ٹوں اس گھر میں پڑے ہوئے تھے۔ ماں کی صورت دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹے، کلیجے سے لگایا۔ روئی۔ چھاتی پر لٹایا۔ آنسو نکلے دونو کو لیے بیٹھی تھی، کہ نصرت نے کہا، امابی۔ عرفانی بھائی کو سفید سفید کپڑے پہنا کر سلا دیا اور کھٹولے پر لٹا کر لے گئے۔ چلو اب ان کو جگا لاؤ۔

نے بچے کو پیار کیا۔ کلیجہ نکل پڑا۔ اور یہ کہکر بیہوش ہوگئی۔

عرفانی میاں قیدن ماں سے ملکر بھی نہ گئے۔ کیوں میاں خفا ہو گئے۔
ہاں ہاں اس لیے کہ باپ دادا کی ناک کاں نے کاٹ دی۔ ماکی صورت نہ دیکھی۔
اچھا میاں اچھا۔ سوؤ بٹیا سوؤ، جنگل میں سوؤ، آرام کرو، بیگم کے دل میں قیصر کا کانٹا ایسا کھسا تھا کہ کوئی لمحہ اس کے اجاڑنے سے غافل نہ ہوتی۔ دن رات یہ تسبیح تھی اور رات دن یہی ذکر۔ بیس سیر گیہوں اور دس سیر دال ماہوار نہ بھیجا کرتی، اگر یہ بھی گوارا نہ تھا، ٹھیک دوپہر کا سنسان وقت تھا کہ ایک روز بیگم پالکی میں سوار ہو کر قیصر کے ہاں آئی۔ بدنصیب قیصر کے یہاں کیا رکھا تھا پھر بھی تعظیم کو اٹھی اور یہ سمجھکر کہ احمد ناخوش نہ ہو جائے، اس کو جھک کر سلام کیا۔ احمد اس کے جلو میں حاضر تھا۔ نصرت سے کہا بیگم صاحب کو سلام کرو۔ بچہ بچہ ہی تو تھا ضد آ گئی۔ سلام نہ کیا۔ بیگم بولی۔

"دیکھو سانپ کے سپولئے ہی ہوں گے"

احمد کو کہاں تاب تھی۔ بید ہاتھ میں تھی، پانچ سات سڑاسڑ ایسی لگائیں کہ خون نکل آیا، بیگم ہنستی رہی۔ قیصر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دیکر آنکھیں بند کرلیں جب یہ دونو چلے گئے، تو دیکھا بچہ بیہوش پڑا ہے۔ روتی ہوئی آئی زخموں پر منہ رکھدیا۔ اور کہنے لگی، ایک بدنصیب ماں کے کارن باپ کی یہ مار بھی کھالی دکھیاری کے گھر میں کپڑا کہاں تھا۔ دوپٹہ پھاڑ کر دھجیاں پانی میں بھگو بھگو کر اس کا خون پونچھا۔ اور سینے سے لگا کر پڑی۔

اب انتہائے مصائب نے قیصر کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ نصیر اور عرفانی کی موت ایسی نہ تھی کہ قیصر سنبھلی رہتی۔ کلیجے میں گھونسے لگتے۔ آنکھوں میں اندھیرا آتا۔ دل میں ہوکیں اٹھتیں، چیخیں مارتی اور دروازے پر چلی جاتی۔ پھر لوٹتی، سجدے کرتی، روتی، گڑگڑاتی۔ اور دعا کرتی۔

رحم ! اے مولا رحیم !!

زندگی کی کل کائنات اور دنیا کا تمام اثاثہ اب دو بچے اکرامی اور نصرت تھے ان کو دیکھتی اور روتی، رات کو جب دنیا عالم خواب میں ہوتی تو نصرت سے لپٹتی اور کہتی۔ مجھے احمد کی کیا پرواہ ہے۔ اللہ میرے اس شوہر کی عمر دراز کرے۔ میرا شوہر تو یہ ہے اس کی دلہن لاؤں گی، گھر والی بنوں گی۔ دکھیاری کا لال ساری کسر نکال دیگا دفعتہً گھبرا جاتی اور سوچتی۔ ہائے کیسے کیسے پھول ہری ہری کونپلیں سامنے سے اٹھ گئیں، ٹوٹ گئیں، نصیر۔ عرفانی دونو ہائے دونو۔ کلیجہ اجاڑ گئے۔ خیر شکر الٰہی شکر، شکر۔

ظالم کا ظلم اور سنگدل کی جفا کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی، گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ اب اطاعت کی حد ہو گئی۔ چچا اور ماموں دونوں زندہ بیٹھے ہیں چلی جاؤں مگر ساتھ ہی خیال آیا۔ کیوں قیصر! سادات کے خون کا دھبہ قیامت کے دن تیری گردن پر ہوگا۔ باپ دادا کی عزت تیرے ساتھ اور بڑوں کی لاج تیرے پاس ہے، دنیا فانی۔ کواری کا عیش نہ رہا۔ بیاہی کی خوشیاں نہ رہیں۔ سوکن کا جلاپا رہنے والا نہیں، احمد مالک ہے۔ آقا ہے۔ مجازی خدا ہے۔ خوش رہے آباد رہے۔ کنیز ہوں لونڈی ہوں جس طرح رکھا ہے اور جس طرح رکھے گا رہونگی۔

اکرامی کی طلبی کا حکم پہنچا۔ سہم گئی کہ وہ باپ جو ایک بچہ کو اپنے ظالم ہاتھوں سے زہر دے چکا، اس مینا کی گردن توڑ دیگا۔ ارادہ کیا کہ انکار کر دے۔ مگر پھر سوچا۔ نیچے اس کے ہیں میں کون ہوں۔ مامتا ہی ہوں، مالک وہ۔ باپ وہ۔ میں کون، بچی کو نہلایا، دھلایا، پھٹے پرانے کپڑے جوڑ جاڑ۔ رنگ بند ہ۔ پہنا پہنو تیار کیا، سامنے کھڑی ہوئی تو مینا کہنے لگی۔

بس تو اما ہم جاتے ہیں لو پیار کر لو

دل بگڑ رہا تھا۔ اتنا سنتے ہی بیتاب ہو گئی۔ گود میں اٹھا لیا اور کہا
اچھا بی بی جا خدا حافظ۔

اکرامی کی داستان مصیبت نہایت جگر خراش ہے ستم شعار بیگم جس کے پہلو میں دل نہیں پتھر تھا، نت نئے ظلم پانچ برس کی جان پر توڑتی، سالن کی بھری بھری پتیلیاں ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھا کر، اور آگ کی لبالب انگیٹھیاں باورچی خانے سے بھر کر لاتی، بارہ بارہ بجے رات تک بیگم کے پاؤں دباتی اور نماز کے وقت اٹھا دی جاتی۔ کہ آگ سلگا دے۔

یہ وہ وقت تھا کہ دو بچے مر کر اور ایک جیتے جی قیصر سے چھوٹ چکے تھے اور صرف ایک بچہ نصرت گود میں رہ گیا تھا، رات کو ایک دن اتنے عرصہ بعد احمد کی بیوفائی کا خیال آیا۔ دل سے کہنے لگی۔ انقلاب حسن کی میں ذمہ دار نہیں ہوں قدرت کے انتظام ہی ہیں۔ اور اگر عقل سلیم ہے تو ہر تغیر کا بار احمد کی گردن پر ہے۔ سمجھدار ہوتا تو قدر کرتا، غور کرتا، سمجھ جاتا۔ مگر ہائیں مجھے یہ کہنے کا کیا حق، وہ مالک ہے، مولی ہے۔ آقا ہے۔ شوہر ہے جو کیا خوب کیا جو کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ اکرامی کی یاد کلیجہ تڑپا رہی ہے۔ کیا کروں۔ کیونکر دیکھوں۔ پر نہیں اڑ کر جاؤں۔

یہ پتہ ہمکو نہ چل سکا کہ اکرامی کی شرارت تھی یا قیصر کی بدبختی۔ بہر حال ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ اکرامی بخار میں بلبلاتی ماں کے پاس بھیجدی گئی۔ بچی کو مطلق ہوش نہ تھا۔ اور اب قیصر بھی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کو زیادہ احساس نہ تھا۔ البتہ گم سم تھی۔ ایک خیال تھا کہ آتا تھا اور وہ یہ تھا کہ دیکھئے اکرامی کیا صورت دکھاتی ہے، دن کے دو بجے ہونگے، بچی نے آنکھ کھولکر ماں کو دیکھا بت بنی بیٹھی تھی، اور ضبط کر رہی تھی، مگر ماں تانے کلیجے کو چیر ڈالا، جھپٹ کر ہاتھ

اُٹھا گلے میں ڈال لیے، بچی نے پانی مانگا۔ لینے گئی۔ تو پانی کی بوند مٹکے میں نہ تھی، یہ کہکر خاموش ہوگئی۔

"شکر ہے"

بچی رہنے والی نہ تھی ماں کی گود خالی کر گئی، یہ وہ موت تھی جس نے قیصر کے خیالات کو تبدیل کر دیا، رات کا آنا تھا کہ بچے کو گود میں لے کر باہر نکلی اور احمد کی طرف چلی۔ نکڑ پر پہنچی تھی کہ ایک شخص دکھائی دیا، جس کی صورت بالکل باپ کی تھی، اس نے ڈانٹا اور کہا۔

"قیصر کیا غضب کرتی ہے۔ یہ مصیبتیں سدا رہنے والی نہیں، باپ دادا کی پاک روحیں تیرے صبر و تحمل کو دیکھ رہی ہیں، جا گھر میں بیٹھ اور شکر کر۔ قیصر بات جب ہے کہ شوہر کی اطاعت میں فرق نہ آئے، اور لطف یہ ہے کہ راضی بہ رضا اس سے رخصت ہوئے"

آدمی آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ سہمی، ڈری، بچہ گود میں تھا، لوٹی اور گھر آئی، وضو کیا، نماز پڑھی لیٹی تو نصرت خاصا بہلا چنگا۔ ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا، ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری۔

اللہ اللہ ایک بھی نہ رہا

قیصر میں کچھ نہ تھا، روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، یہ وہ وقت تھا کہ خدا نے ہزاروں ارمانوں اور منتوں سے بیگم کو بیٹا دیا۔ آج اکرم کا چلہ تھا اور سینکڑوں روپے کی ریل پیل ہو رہی تھی۔ مرقان اس روح کو لے کر عالم بالا کو جا رہا تھا کہ قیصر مرقان سے اجازت لے کر ٹھٹکی۔ ٹھیک اس وقت جب بیگم کی خدمت میں احمد دست بستہ حاضر تھا یہ آواز آنی شروع ہوئی۔

ہو خضر کی عمر احمد کو عطا شاہ ہی دل شاد رہے

اس چندر کی جوت اترو کہن یہ تیری سیہا آباد رہے

اکرم سے بچوں کا نام چلے اس لال سے لاکھ بسیں کہیڑے

سنسار میں ہوم اس لال کی ہو اقبال کے ہوں ریپڑ پہرے

بیگم سے بڑہیں بلیں تیری سکھ چین کی ہوں ہردم گھڑیاں

دن رات سماں یہ عیش کا ہو، دولت کی پڑیں جھپر جھڑیاں

مکھڑے کی تیرے شیدا لونڈی، قدموں کی ترے ہو کی قیصر

اب تیرے دوارے آئی ہی کچھ رحم کی اس پر ہوئے نظر

حقدار نہیں بھکیارن ہوں منتی ہی مری کچھ زور نہیں

بیتا کے ہیں ونجر میرے کچھ جھوٹ نہیں غل شور نہیں

تنگی بھی ہی فاقے بھی کیے سب درد سہے بیتا بہگتی

چادر نہ ملی پنکھا نہ ملا سب بیت گئے جاڑا گرمی

فاقوں پہ پڑے فاقے پیہم اک دانہ صبح و شام نہ ہو

عرفان کے دانت سے دانت بجیں گھر بھر میں روٹی کا نام نہ ہو

شربت کو ترستی اکرامی، اس گود میں ماں کی دم توڑے

صورت کو پھڑکتا عرفانی، ما قید میں ہو دنیا چھوڑے

ماباپ کی مجھ سے لاج گئی پردہ لوٹا وہ آن گئی

آئی تہ زباں پر اُف لیکن سچ کہہ احمد قربان گئی

لے ہاتھ اُٹھا، کرپا کر تو، دے آج تصدق اکرم کا

کچھ نیگ نہیں کچھ جوگ نہیں بس صدقہ اُترن بیگم کا

ہو یاد اگر نصرت پیارا، بیدردی سے تھا جس کو مارا

بے گور و کفن ہی گھر میں پڑا کیا درد بھرا ہے نظارہ

کیا کیا نہ ستم توڑے میں نے کیا کیا نہ غضب اور قہر کیا
سادات کی لاج گنوا کے چلی ایک لال کو اپنے زہر دیا
دنیا میں نہ تھا حامی کوئی شاہد ہی پر اک قدرت والا
اندھیارے کا دیکھن ہارا وہ نینن والا عزت والا
دربار بڑا سرکار بڑی بیکس کی حمایت لے گا وہ
جن آنکھوں نے دیکھا حرف بحرف قیصر کی شہادت دیگا وہ
جانے دو چلو سب ٹھیک سہی اس صبح کی آخر شام تو ہے
قیصر کے کلیجے کا ٹکڑا کہنے کو تمہارا نام تو ہے
ہے نام کی لاج ابھی باقی ٹھیری ہوں فقط اتنے کارن
عزت پہ لگے کا دھبہ یہ گر اس کو ملا غیروں کا کفن
وہ جان کی قسمیں لاکھوں ہی وہ قول و قرار امید و اثر
بچپن کی کتھا گر ذہن میں ہو گھونگٹ کے ہوا وعدے یاد اگر
ان سب کے حوالے دیتی ہوں تو اتنی بپا سن لے میری
اٹھوا دے مرا بچہ احمد! لونڈی تیری چیری تیری
لونڈی کا تری بچہ نصرت! معصوم کا مردہ ہے احمد
بیدردوں سے چھٹا ہاتھوں سے کٹا مظلوم کا مردہ ہے احمد

قیصر کی صدا بیکار رہی، اچھا رخصت حافظ ہے خدا
کہلاتی تھی تمہری، جیسی بھی تھی، کرنا معاف ہماری خطا
تو دونوں جہاں میں شاد رہے جاتی ہوں مرا اب دل ٹھنڈا کیا
جو تو نے کیا وہ خوب کیا۔ آباد رہے سب معاف کیا

اک جلوۂ فانی تھا احمد! بہتر نہ رہی بد تر نہ رہی

وہ دن نہ رہی راتیں نہ رہیں بچے نہ رہے قیصر نہ رہی

صدا کے شروع ہوتے ہی شادی کے گھر میں جہاں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی ایک سناٹا چھا گیا، احمد کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا "قیصر نہ رہی" کہتے ہی صدا ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ محلہ والوں نے دونوں بیٹیوں کی خبر موت پہنچائی، بیوی کے ابتدائی حالات اس کی مصیبتیں اور صبر و تحمل اپنا ظلم اس کی بے گناہی سب باتیں یاد آگئیں۔ تڑپتا ہوا اوپر گیا کہ کہیں نظر آ جائے تو قصور معاف کراؤں، مگر کیا رکھا تھا۔ گھر آیا، تو نصرت چارپائی پر اور بیٹی کے نیچے زمین پر قیصر کا جسد خاکی پڑا ہوا تھا۔ پھٹے ہوئے میلے کچیلے کپڑے تھے، مگر چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

مرقان لاکھ انسان تھا مگر قیصر کی صدا نے دل پگھلا دیا، پہنچا تو بات نہ نکلتی تھی، داروغہ نے دور سے آفریں مرحبا کی صدائیں قیصر کی پاک روح تک پہنچائیں اور مرقان سے کہا۔ یہ روح بیشک وہ روح ہے جس پر نہ صرف نسوانی دنیا ناز کر سکتی ہے، بلکہ کمال پور کے سید جس قدر فخر کریں کم ہے۔ ان سے پہلے کچھ روحیں کہنے کو گندی تھیں، مگر تمہارا مطالعہ قابل داد ہے کہ ان سے بھی کام کی باتیں پیدا ہوئیں۔ پہلی دو روحیں دنیا والوں کو بتا رہی ہیں کہ خوف خدا سے لرزنے والے گنہگار شقی القلب گندم نما جو فروش ریفارمروں سے بہتر ہیں، تیسری اور چوتھی یعنی حسینہ و مغیرہ کی روحیں سبق دے رہی ہیں کہ تعلیم کے نقص نے قدرت کی ایک ہی مخلوق میں کیسا فرق کر دیا۔ ناقص اور ادھوری تعلیم جو برائے نام تھی بالآخر حسینہ کی بربادی کا باعث ہوگئی۔ چونکہ دنیا کے نشیب فراز سے

واقف نہ تھی، مکار کے جل میں آ گئی اور عصمت کو کھو بیٹھی۔ اگر تعلیم کا پورا انتظام ممکن نہ تھا تو اس کا بھونرے ہی میں پلنا ٹھیک تھا۔ اس کے مقابلہ میں مغیرہ باوجودیکہ خود فریفتہ تھی مگر دنیا سے اچھی طرح باخبر، اور نتیجہ سے پوری آشنا، جذبات کو دبا گئی اور ثابت کر دیا کہ اگر تعلیم اور صحبت خیالات کو درست کر دیں تو عورت اس طرح اپنی خواہشوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

پانچویں روح نارضا مندی کی شادی کا کھلا ہوا نتیجہ ہے، اور عبرت ہے اُن والدین کے واسطے جو یہ سمجھکر کہ لڑکی یہاں خوش نہیں زبردستی دھکیل دیتے ہیں چھٹی روح کے کارنامے کا ہر حرف یہ پتہ دے رہا ہے، کہ کسی مذموم فعل کے ارتکاب کے بعد خود انسان کا اپنا نفس اس پر ہمیشہ ملامت کرتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی خوشی اس جرم کی تلافی نہیں کر سکتی۔ یہ ساتویں وہ روح ہے۔ جس کے واسطے آج جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، سیدانی جس نے سادات کی لاج اور بزرگوں کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ اس میں ہمیشہ راج کرے گی۔

تمہارا قصور معاف ہوتا ہے، جاؤ اور اس پاک روح کو جس کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوئی۔ اس باغیچہ میں چھوڑ دو۔ جس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔

صالحات

نیک بیبیاں

اطلاع

"تماشات و خونیکے اعمالنامے" کا دائمی حق اشاعت جناب علامہ رشد الخیری نے مجھے دیدیا ہے اس لیئے کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہوں گے ہاں تاجران کتب اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں۔

جس کتاب پر پبلشر کے قلمی دستخط نہ ہوں گے وہ مال مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار واحدی مدیر نظام المشائخ دہلی

تصنیفات مصور غم علامہ رشد الخیری

صبح زندگی عمہ	منازل السائرہ عمر	سوکن کا جلاپا ۶/
شام زندگی عہ	ماہ عجم عہ	اعمالنامے ۸/
شب زندگی حصہ اول عمر	عروس کربلا عہ	سنجوگ ۱۰/
شب زندگی حصہ دوم عمر	محبوبہ خداوند ۱۲/	گوہر مقصود ۶/
نوحہ زندگی ۱۲/	آفتاب دمشق عہ	در شہوار ۱۰/
الزہرا ۱۲/	طوفان حیات عمر	شاہین و دراج ۸/
قطرات اشک عہ	بنت الوقت ۸/	انگوٹھی کا راز ۸/
جوہر قدامت عہ	سراب مغرب ۸/	جوہر عصمت ۶/
یاسمین شام عہ	فسانہ سعید ۱۰/	روداد قفس ۶/
تیغ کمال عہ	تائید غیبی ۸/	موءودہ ۸/
سمرنا کا چاند عہ	لڑکیوں کی انشا ۱۲/	نوبت پنج روزہ عمر

ملنے کا پتہ:- مینجر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۱۵ دہلی